

الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ آلک واصحابک یا حبیب اللہ

اہل سنت کی آواز پاسبان فکر رضا

سہ ماہی

آزاد قلم

Voice Of Ahl-ul-Sunnah

Quarterly Azad Qalam

مدیر اعلیٰ

محمد مجتبیٰ رضا نشر غزالی

ناشر

تحریک خدام الاولیاء نیپال



الصلوٰۃ والسلام علیک یا رسول اللہ وعلیٰ اٰلک واصحابک یا حبیب اللہ

اہل سنت کی آواز پاسبان فکر رضا

سہ ماہی آزاد قلم

Voice Of Ahl-ul-Sunnah

Quarterly Azad Qalam

مدیر اعلیٰ

محمد مجتبیٰ رضا اشرف غزالی

ناشر

تحریک خدام الاولیاء نیپال



اہل سنت کی آواز پاسبان فکر رضا

سہ ماہی آزاد قلم

نام ---------------------- سہ ماہی آزاد قلم

مدیر اعلی -------------- محمد مجتبیٰ رضا نشر غزالی

سن اشاعت ------------------ ۱۴۴۴ھ

صفحات ------------------------ ۵۱

روابط

mrng313@gmail.com

muhammadshuaibkhanrazavi@gmail.com

+919102428167,+916307364323.

ناشر

تحریک خدام الاولیاء نیپال

فہرست مضامین

مضمون نگار	مضامین	صفحہ نمبر
محمد شعیب خان رضوی بریلوی	اغراض و مقاصد	۴
مولانا محمد میاں اشہلؔ مرکزی	پیش لفظ	۵
مولانا عبدالقیوم داعیؔ مرکزی	حمد باری تعالی	۷
مولانا جسیمؔ اکرم مرکزی	شب معراج (نعت شریف)	۸
ڈاکٹر محمد مبشر حسن مصباحی	ہماری پسماندگی کے اسباب اور اصلاح مفاسد	۹
ڈاکٹر انوار احمد رضا مصطفوی	امیر المؤمنین سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	۱۳
مولانا محمد مصطفٰی رضا نظامی	اسلامی نظام حیات ہی میں فلاح ہے	۱۶
مولانا محمد جاوید اختر مرکزی	حقیقی ولایت اور دور حاضر کے ڈھونگی پیر	۱۹
مولانا محمد یوسف رضا ضیائی	اولیائے کرام کے تصرفات	۲۴
مولانا محمد احمد فیاض رضوی	تصوف (شریعت کی روشنی میں)	۳۰
محمد شعیب خان رضوی بریلوی	حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ	۳۳
محمد مجتبٰی رضا نشر غزالی	امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ	۴۰
مولانا محمد مستقیم رضا مصطفائی	حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ	۴۶
-------------	انمول موتی	۵۱

اغراض و مقاصد

از قلم:- محمد شعیب خان رضوی بریلوی

دور حاضر میں چہار جانب سے ایک شور برپا ہے کہ کسی طرح سے اسلام اور اہل اسلام کو مٹا دیا جائے، قرآن کی تعلیمات کو ختم کردیاجائے، مسلمانوں کو عقائد اسلام سے منحرف کردیا جائے، ان کے دل سے خدائے قہار و جبار کا خوف اورحبیب خدائے وحدہ لاشریک جناب محمدرسول اللہﷺ کی محبت نکال دی جائے وغیرہ وغیرہ۔تاریخ کا مطالعہ کرنے پر یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ دشمنان اسلام کی یہ کوششیں نئ نہیں ہیں۔ اسلام کومٹانے کی ترکیبیں تو رسول اللہﷺ کے اعلان نبوت فرمانے کے بعد سے ہی ہوتی چلی آئی ہیں۔دشمنان اسلام کوششیں کرتےرہے اہل اسلام ان کی کوششوں کو ناکام کرتے رہے، کبھی مسلمانوں کی تعداد کو ختم کرنے کی کوشش کی گئ، کبھی مسلمانوں کو نبی آخر الزمانﷺ کی محبت سے دور رکھنے کی کوشش کی گئ، کبھی اسلاف سے دور کرنے کی کوشش کی گئ، نیز کفار کی تمام تر توانائیاں اسلام کو مٹانے میں صرف ہوتی رہیں۔اہل اسلام نے ان کا ڈٹ کرمقابلہ کیا۔وہ اہل اسلام ہی تھے جنہوں نے دنیا میں علم وفضل کے دریا بہائے، تاریخ اپنے دامن میں ایسےایسے نایاب جواہرپاروں کو سنبھال کر رکھے ہوئے ہے جن کی نظیر اس دور میں یورپ وامریکہ تو کیا پوری دنیا میں موجودنہیں۔ دینی و دنیوی تمام علوم میں اہل اسلام نے جو کارنامے انجام دئے وہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہیں، خواہ وہ اسلامیات میں ہوں یا سائنسیات میں،منطق میں ہوں یا فلسفہ میں، طب میں ہوں یا جغرافیہ میں، فلکیات میں ہوں یا موسمیات میں،طبعیات میں ہوں یا حیاتیات میں نیز جدید دورکے علوم میں شاید ہی کوئی ایسا علم ہو جس پر اہل اسلام نے اپنی چھاپ نہ چھوڑی ہو۔ اہل اسلام کے پاس فضل خداوندی اورعلم کی دولت ہی تھی کہ جس کے سبب ایک زمانہ ان کی عظمت کاقائل رہا۔ یورپ کی لائبریریاں،لیبارٹریاں آج بھی اہل اسلام کےکارناموں کی شاہد ہیں۔اس رسالہ کوشائع کرنےکےمقاصد میں تحفظ عقائد ونظریات، دین متین کی صحیح تعلیم لوگوں تک پہنچانا، اہل اسلام کو ان کی کھوئی ہوئی وراثت(علم)کےحصول پر ابھارنا، نیز مخالفین اسلام کے ارادوں کونا کامیاب کرناہے۔ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ خدائےبزرگ وبرتر اس کوقبول خاص و عام بنائے، ہمیں اپنے اسلاف کے نقش قدم پرچلنےکی توفیق عطا فرمائے اور ملت اسلامیہ کی پسماندگی کو عروج بخشے۔ آمین بجاہ النبی الکریمﷺ۔

فقط والسلام۔

اُخوکم الفقیر محمدشعیب خان رضوی بریلوی غفرلہ القوی

۵رجب المرجب ۱۴۴۴ھ بمطابق ۲۸ جنوری ۲۰۲۳ء بروز شنبہ

پیش لفظ

از قلم:- مولانا محمد میاں اشہل مرکزی

ایک سچے مسلمان کے لئے ایمان و اسلام سب سے عظیم نعمت اور دنیا کا سب سے قیمتی اثاثہ ہے۔ اسی پر دونوں جہان میں کامیابی و کامرانی کا مدار ہے۔ دنیا میں عزت و افتخار، عروج و بلندی ، شان و شوکت،جاہ وجلال،جود و نوال اور آخرت میں سرخروئی اور نجات اسی ایمان سے وابستہ ہے اور موت کے بعد کی دائمی زندگی میں راحت اور سکون اور وہاں کے ناقابل تصور عذاب سے نجات بھی اسی سے متعلق ہے ،جس نے دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے اپنے ایمان کو بچا لیا اور خاتمہ بالخیر کی دولت بے بہاء حاصل کر لیا اس کے بارے میں قرآن عظیم و حدیث کریم میں صاف لفظوں میں بتا دیا گیا ہے کہ وہ کامیاب ہے۔ اگر بعض گناہ کے سبب جہنم میں جانا بھی پڑا تو ایک متعین وقت کے بعد وہاں سے نکال لیا جائے گا اور جنت میں داخل کیا جائے گا جہاں وہ ہمیشہ ہمیش رہے گاجو ایک انسان کے لئے سب سے بڑی نعمت ہے۔ اس لئے ہر ایک مسلمان کو چاہیئے کہ وہ ہمیشہ اپنے ایمان پر قائم رہے۔ اور اپنے ایمان کی حفاظت سب سے بڑھ کر کرے اور اس میں کسی طرح کی کوئی رو رعایت نہ کرے۔ ایمان کے بعد پھر فرائض و واجبات کو انکے وقتوں میں ادا کرنا اشد ضروری ہے اس لئے کہ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے اللہ تبارک و تعالی انکے بارے میں ارشاد فرماتا ہے الذین اٰمنوا وَ کانوایتقون لھم البشری فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ-لا تبدیل لکلمٰت اللہ- ذٰلک ھو الفوز العظیم۔ ترجمہ۔وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں انہیں خوشخبری ہے دنیا کی زندگی میں اور آخرت میں اللہ کی باتیں بدل نہیں سکتیں یہی بڑی کامیابی ہے۔

معلوم ہوا کامیاب وہی ہے جو صدق دل سے ایمان لائے اور نیک اعمال کرے۔اور اس پر قائم رہے، اور یہ بات بھی آشکار ہے کہ ایمان پر استقامت اور نیک اعمال کرنے کا جزبہ پیدا کرنے کے لئے علمائے ربانیین اپنی جی توڑ کوشش و محنت کرتے رہتے ہیں، اورلوگوں کو ترغیب دلاتے رہتے ہیں۔اور ایسا کیوں نہ ہو کہ علمائے کرام کی ذمہ داری بھی یہی ہے کہ لوگوں کے ایمان کی حفاظت کے سامان کریں اور نیک اعمال بجا لانے کی انہیں ترغیب دلاتے رہیں جیسا کہ قرآن پاک کی آیات اور احادیث نبویہ میں حکم فرمایا گیا ہے۔

برادر گرامی وقار حضرت مولانا شعیب رضا صاحب قبلہ سے یہ سن کر بے حد خوشی اور مسرت محسوس کر رہا ہوں کہ عزیز گرامی حضرت مولانا مجتبیٰ رضاغزالی صاحب قبلہ نے اصلاح عقائد واعمال کے پیش نظر اہل سنت کی آواز پاسبان فکر رضا سہ ماہی "آزاد قلم" شائع کر رہے ہیں۔مولا تعالٰی

انہیں اس میں کامیابی عطا فرمائے اور انہیں مسلک اعلیٰ حضرت کی عظیم خدمات انجام دینے کی توفیق رفیق عطافرمائے۔آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

احوج الناس الی حبیب الرحمان
محمد میاں قادری صدیقی اشہلؔ مرکزی
نزیل بارگاہ مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی فاروقی قدس سرہٗ، سرہند شریف،پنجاب،ہند
۵؍رجب المرجب ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۸؍جنوری ۲۰۲۲ء بروز شنبہ

حمد باری تعالیٰ

از قلم:- مولانا عبدالقیوم داعی مرکزی

خدا کی ذات اقدس تو یقینا لا مکانی ہے
ازل سے تا ابد اس کی ہی ہر جا حکمرانی ہے

الٰہی میں گناہوں کے سمندر میں ہوں مستغرق
مجھے حق رہ دکھا مولی مرا تو ہی تو بانی ہے

جہاں کی ساری اشیاء تو یقینا مٹنے والی ہیں
مرے مولی تری حمد و ثنا ہی جاودانی ہے

کھلاتا اور پلاتا ہے وہی رزاق ہے بیشک
خدا کے دست قدرت میں سبھی کا دانہ پانی ہے

جوانی کے دنوں میں کرلے اے انساں عبادت تو
یقینا ڈھل ہی جائے گی یہ کچھ دن کی جوانی ہے

عبادت میں خدا کی ہو جا اب مشغول اے داعی
یہ دو دن زندگانی ہے یقینا موت آنی ہے۔

شب معراج

از قلم:- مولانا محمد جسیم اکرم مرکزی

خدا کا نور تھا ہر چار سو پھیلا شب معراج
بڑھے جب جانب عرش بریں آقا شب معراج

جگانے کے لیے اے جان جاناں با ادب تیرا
کف پا حضرت جبریل نے چوما شب معراج

دعا مقبول ہوگی اور نصیبہ جاگ اٹھے گا
اگر دل سے کوئی رب کو پکارے گا شب معراج

فرشتے وجد کرتے تھے لئے پرچم یہ کہتے تھے
شہ خوباں شہ عالم بنے دولہا شب معراج

امام الانبیاء خیر الوری کی چوم کر نعلین
مقدر پر ہے نازاں مسجد اقصیٰ شب معراج

جناب ام ہانی ہو مبارک آپ کے گھر سے
"گئے ہیں رب سے ملنے لامکاں آقا شب معراج"

شہنشاہ مدینہ کی خوشامد کے لئے بے شک
نظارہ خلد کا ہر سمت چھایا تھا شب معراج

گئے اک پل میں آقالامکاں آئے بھی اک پل میں
انوکھا معجزہ ہے آپ کا جانا شب معراج

کسی کے واسطے ہے "لن ترانی" کی صدا لیکن
خدائے لم یزل کو آپ نے دیکھا شب معراج

رسول ہاشمی رب سے ملانے کے لیے ہم کو
دیے ہیں واہ کیا تحفہ نمازوں کا شب معراج

گناہ عاصیاں کو بخشوانے کے لیے آئی
شب رحمت شب برکت شب اسریٰ شب معراج

کہا یہ حضرت روح الامیں نے سدرہ پر رک کے
کہ جائیں اس سے آگے بس شہ بطحا شب معراج

شہ لولاک سے میں نے طفیل رب جسیم اکرم
کمال و فضل و خوبی، مرتبہ پایا شب معراج

ہماری پسماندگی کے اسباب اور اصلاح مفاسد

ملت کی ارتقاء اور زوال کے تناظر میں

از قلم:- ڈاکٹر محمد مبشر حسن مصباحی
اسکالر جواہر لال نہرو یونیورسٹی، دہلی

اسلام اعتدال وتوازن کا دین ہے اس میں افراط و تفریط نہیں، لیکن ہمارے اعمال وکردار میں افراط و تفریط ہے۔آج ہر طرف اخلاقی گراوٹ، احکامات شرعیہ سے عدولی،ناجائز کاموں کی بہتات، بدعات کی کثرت، صغائر وکبائر گناہوں کے درمیان محو تفریق، حق وباطل کی عدم تمیز، عدل وانصاف کی خونریزی، انسانیت کا قتل، حسنات وصدقات کی قلت، علماء سے مقابلہ آرائی، صلحاء شرفاء سے بد تمیزی، جہلاء کی جہالت، اسی طرح تمام کارہائے حیات میں اصلیت کے ساتھ مصنوعیت، صالحیت کے ساتھ عدم صالحیت کی ملاوٹ ،حسن و قبح کا اختلاط، تصحیح وتغلیط کا انضمام ، حلت وحرمت کی برابری ہے۔

دماغوں میں مفاسد، تخریب کاریوں اور اخلاق سیئہ کی تفکیر، دلوں میں برائیوں کی آماجگاہ، کانوں میں غلط باتوں کی لذت، ناکوں میں بری چیزوں کی مہک کی لطافت، ہاتھوں میں کمزوروں کے خلاف ظلم کی قدرت، اورحرکات قبیحہ کی رذیل عادت، پاؤں میں برائیوں کی طرف چلنے کی سرعت برق باری ہے۔

غرباء فقراء مساکین طاقتوروں کے پنجہ استبداد میں جکڑے ہوئے ہیں، کہیں مدارس کے غریب اساتذہ اور مساجد کے ناتواں ائمہ،صدرسیکرٹری خزانچی اور کمیٹی کی ظالمانہ بالادستی میں دبے ہوئے ہیں۔مدارس اور یونیورسٹیز کے طلبہ و طالبات جابرانہ نظام میں کہیں سہمے ہوئے ہیں۔ تدریس میں غیر دیانت داری، تصنیف میں سرقہ، تقریر میں لفاظی بلا فائدہ، گفتگومیں جھوٹ، غیبت، چغل خوری ہر برائی سے لبالب ہے۔ سماج میں دوستوں کے ساتھ بے وفائی، رشتہ داروں کے ساتھ صلہ رحمی کا فقدان، پڑوسیوں کے ساتھ حق تلفی، سیاست میں بغاوت، صدارت میں شرارت، قیادت میں کدورت، دولت میں بخالت اور سخاوت میں نمو ہے۔

کیا اللہ ورسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں یہی تعلیم دی ہے، کیا یہی دین اسلام ہے؟ ہر گز نہیں۔ آج احکامات خداوندی اور فرامین مصطفیٰ ﷺ کو ہم فراموش کرچکے ہیں اسی وجہ سے ہماری تنزلی ہے۔ ماضی میں جب مسلمان اعلی کردار کے پیکرتھے تو اسلام کا بول بالا اور مسلمانوں کی سربلندی تھی، جب اخلاق واعمال پست ہوئے تو ہم پست ہوتے چلے گئے۔

قرآن وأحادیث میں ہمیں اعلی تعلیم کی تاکیدہے، لیکن ہم نے تعلیم تقاضے کے مطابق حاصل

نہیں کیا، یہاں کے امراءحکام نے تعلیم کے بجائے تعمیرات پر پوری توجہ جھونک دی۔ جہاں اسلامی حکومت رہی امراء نے تعلیمی درسگاہوں سے زیادہ حفاظتی قلعے،سیاحتی مقامات کی تعمیر کی، لال قلعہ، تاج محل سبھی اس بات کے شواہد ہیں۔

یورپ وامریکہ میں ایک سے ایک کالیجیز اور یونیورسٹیز ہیں جہاں دنیاکی ہر تعلیم دی جاتی ہے۔چھوٹا سا ملک اسرائیل ۱۹۴۸ء میں وجود میں آیا، تعلیم پر اس قدر توجہ ہے کہ آج اس کا اثر و رسوخ پوری دنیا پر حاوی ہے، اس کے پیدا کردہ ایجادات اور چیزوں کا استعمال آج پوری دنیا میں ہورہی ہیں۔ یہ کیوں نہ ہو قرآن میں ہے انسان کو احسن تقویم کی چادر علم کی وجہ سے ملی ہے، غیروں نے دینی و عصری علوم کو اپنایا اور اپنا رہے ہیں اور ہم نے ہی قرآن واحادیث کو بھلا دیا ہے۔آج بھی ہماری توجہ علم پر نہیں بلکہ مزارات، اعراس اور کانفرنسیز پر خوب تر ہے، کہیں پر مستحقین اور غیر مستحقین، علماء وغیر علماء کے درمیان بھی تفریق نہیں۔مزارات کی تعمیر، عرسوں اور کانفرنسوں کا اہتمام اس قدرفراوانی کے ساتھ ہورہا ہے لگتا ہے یہ اسلام کا جزو لاینفک ہے۔ میں اس افراط و تفریط اور غلو کا مخالف ہوں اور یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ اولیاء اللہ اور علمائے اسلام اور مسلمانوں کے مزارات وقبور صرف اس لیے ہیں کہ ان کی زیارت کرکے ہمیں علم کی یادیں تازہ، تقرب الی اللہ اور آخرت کی فکر دامن گیر ہوجائے۔لیکن صد حیف! آج ہمارا مقصد ہی فوت ہو چکا ہے۔

جس طرح ماضی میں امراء کے بنائے تاج محل، قلعات سے ہمیں آج کچھ فائدہ نہیں، جبکہ انگریزوں کے بنائی یونیورسٹیز سے دنیا کے کونے کونے میں تعلیم کی روشنی پھیلی ہوئی اور نئ ایجادات کی بھرمار ہے۔موبائل، انٹرنیٹ، سائکل موٹرسائکل، کار،بس، ٹرین،میٹرو، ہوائی جہاز اس دنیا سے لے کر چاند کے سفر تک سارے ایجادات کی فہرست پرنظر ڈالیں یہ کسی مسلم بادشاہ کے قلعے اور تاج محل کے اثرات نہیں بلکہ اعلی تعلیمی درسگاہوں کے اعلی اثرات ہیں۔ دنیا میں مسلم سائنس دانوں کے وجود کا مکمل انکار نہیں لیکن امراء بادشاہ اگر اپنے خطوں اورملکوں میں عیش وعشرت کے محلات، سیاحتی مکانات کے بجائے جامعات بنائے ہوتے تو مسلمانوں کی صورت حال آج کچھ اور ہوتی۔

آج بھی ہندو پاک، نیپال، وبنگلہ دیش وغیرہا میں تعلیم کے بجائے مزارات کی تعمیر، اعراس کے انعقاد، کانفرنسیز کے اہتمامات پرتوجہ زیادہ ہے، پھر مستقبل میں مسلمانوں سےدانشوران اورسائنس دان پیدا ہونگے یہ امید ابھی ہی نسیا منسیا کردیں۔ مزاروں کی تعمیرات سے علماء و دانشواران نہیں بلکہ مجاورین کی پیدائش اور صرف پیٹ پروری کی امیدہے۔ اور اعراس کے انعقاد سے کسی اعلیٰ بابا کی پیدایش، اور رائج کانفرنسیز سے کسی پیشہ ور شاعر ومقرر ہی کی امید ہے ان سے زیادہ کچھ نہیں۔

نعت وخطاب کا کوئی مخالف نہیں ،اس کا تصور اسلام میں بھی ہے بلکہ شاعری اور خطابت

سے دین کی خوب ترویج واشاعت ہوئی ہے۔ آج بھی الحمد للہ داعیان اسلام کی پر اثرخطابات و بیانات سے اسلام کی تبلیغ ہورہی ہے۔لیکن پیشہ ور خطابت و نعت خوانی سے ہر گز نہیں۔بہار و نیپال کے ایک ضلع میں سالانہ تقریبا دس بڑی کانفرنسیز منعقد ہوتی ہیں، ایک کانفرنس کا تقریبا دس لاکھ خرچ ہے تو جلسہ پر ایک ضلع کا خرچ ایک کڑور ہوا۔ میں پچاس لاکھ ہی مان لیتا ہوں کاش یہی روپئے یہاں متعین اساتذہ پر خرچ ہوتے تو تعلیمی معیار کس قدر اعلی ہوتا، تدبروا یا اولی الابصار۔

علم سے زیادہ شہرت کی حرص اور ایک دوسرے پر تفوق و بالادستی بھی تنزلی کا سبب ہے۔ موجودہ حالات ہند و نیپال وغیرہا سارک(SARC) ممالک میں خاص کر ایک بدعت رائج ہوچکی ہے وہ القابات کا فیشن ہے کوئی فقہ میں ایک کتاب لکھ دیا یا تقریر کردی وہ فقیہ اعظم، تفسیر میں کچھ لکھ دیا تو مفسر اعظم، حدیث پر کچھ لکھ یا بول دیا تو محدث اعظم، تاریخ پر کچھ لکھ دیا یا بول دیا تو مورخ اعظم کبھی ایک شخصیت ہی مختلف موضوعات پرکچھ لکھ بول دے تب دیکھیں القابات کی بوچھار۔

انکار نہیں بہت علماء ملت کے لیے کہ احساس مند، دیانت دار اور زمانہ شناس ہیں، تعلیم پر توجہ دے رہے ہیں اسکولز، کالیجیز بھی کھل رہے ہیں لڑکیوں کی تعلیم پر خوب ترکیز کی جارہی ہے، کلیۃالبنات کا قیام ہورہا ہے۔ یہ بہت اعلی فکر اور دور اندیشی کی بات ہے۔ اللہ ان کے قابل قدر جذبات کو سلامت رکھے۔ حالات کو دیکھتے ہوئے اکثر و بیشتر کلیات میں لڑکیوں کی تعلیمی سہولت کے لیے کچھ فیس بھی مقرر ہیں تاکہ آسانی سے ادارہ چل سکے۔لیکن اصحاب مال و زر سے کبھی حوصلہ شکن جملے بازیاں بھی سماعت کی دہلیز تک خوب آتی ہیں، خاص کر جب مدارس کے محصلین اگر تعاون کے لیے ان کے پاس پہونچیں پھر سنیں ان سے دل شکن ہفوات۔یعنی اہل دول اسی وقت چندہ دیں گے جب تعلیم مکمل فری ہو، بچوں اور بچیوں کو صرف دال چاول، کھچڑی کھلایا جائے اور مکمل یتیم بناکر رکھا جائے۔معلمات کی تنخواہ بھی اساتذہ کی طرح لٹکاکردیا جائے۔یا وہ خود چندہ کرکے حاصل کریں۔بہت اچھاہوتا کلیۃ البنات کی طرح تمام لڑکوں کے مدارس میں بھی کچھ فیس لینے کا اہتمام کرے تاکہ مستطیع افراد سے تعاون آتا رہے اور اساتذہ کی تنخواہ کاکچھ مسئلہ حل ہوسکے۔ چونکہ ایسا ہر گزنہیں مدارس صرف غریبوں فقیروں کے لیے ہی بنائے گئے ہیں، مالداروں اور امیروں کےدینی تعلیمی کے حصول کےلیے کچھ الگ مدارس ہیں۔

ایمانداری اور انصاف سے سوچنے کی بات ہے کہ کسی اسکول میں ہمارے بچے، بچیاں پڑھتی ہیں تو کیا پندرہ سو، دو ہزار ماہانہ میں ہی ہاسٹل،خوراک اور تمام تر سہولیات سمیت تعلیم پوری ہوجاتی ہے ؟ ہر گز نہیں! پھر مدرسہ میں دینی تعلیم حاصل کررہی طالبات سے صرف پندرہ سو، دو ہزار لینے پر یہ سوچ کیسے پیدا ہوئی کہ ناظمین کلیات البنات کو چندہ لینا جائز نہیں۔ اسکول میں پڑھانے کے لیے دس ہزار روپیے ماہانہ ادا کرسکتے ہیں لیکن دینی تعلیم حاصل کرنے کے لیے دو ہزار بھی بہت ہیں اللہ تنگ نظری سے سب

کو محفوظ رکھیں اور مثبت سوچنے سمجھنے کی توفیق بخشے۔ کاش کہ ہمارے اندر سوچ تبدیل ہوں اور اعراس، کانفرنسیز پر روپے جھونکنے کے بجائے ہم مل کر کوئی بڑا مدرسہ اسکول کالج یونیورسیٹی کھول سکتے۔اور جو افراد صرف کانفرنسیز سے ہی روزی کی آس لگائے ہوئے ہیں ان کو بھی حسب استطاعت کسی تدریسی تعلیمی عہدوں پر فائز کیے جاتے، اس طرح تعلیمی انقلاب آتا، دوسری قوموں کی طرح ہماری مسلم قوم بھی ہر میدان میں نمائندگی کرتی۔

حالات کے اعتبار سے سبجیکٹ پڑھانا ناگزیر ہے ہمارے مدارس اسلامیہ میں بھی مختلف شعبہ جات کھولنے کی ضرورت ہے، ہم نے خود اپنی سوچ بنا لیا ہے کہ مدرسہ کے نصاب میں صرف قرآن و حدیث ہی پڑھ سکتے ہیں اورعصری علوم کے لیے مدارس نہیں بلکہ کالیجیز کی طرف جانا ہوگا۔

اخیر میں دعا گو ہوں اللہ عز وجل ہمیں دین کی سمجھ ، قرآن واحادیث پر عمل پیرا، احکامات الہی، فرامین مصطفیٰ ﷺ کا پابند، اورتمام مسلمانوں کو بلند و بالا اور شعائر اسلام کوعروج بخشے۔ اپنی باتیں اس شعر پر اکتفا کر رہاہوں۔

پتھر کی بھی تقدیر بدل سکتی ہے
شرط یہ ہے قرینے سے تراشا جائے

جھوٹے انسان کی اونچی آواز سچے انسان کو خاموش کرا دیتی ہے، لیکن سچے انسان کی خاموشی جھوٹے انسان کی بنیاد ہلا دیتی ہے۔

ڈاکٹر محمد مبشر حسن مصباحی

افضل البشر بعد الانبیاء با التحقیق

امیر المومنین ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

از قلم:- ڈاکٹر انوار احمد رضا مصطفوی
مفتی مرکز الافتاء اہلسنت، میلسی پاکستان

اہلسنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضور ﷺ کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں۔قرآن کریم میں ہے "وسیجنبھا الاتقی، الذی یؤتی مالہ یتزکیٰ (ترجمہ کنزالایمان) اور بہت جلد اس سے دور رکھا جائے گا جو سب سے بڑا پرہیزگار۔ جو اپنا مال دیتا ہے کہ ستھرا ہو۔ یہ آیت مبارکہ سیدنا صدیق اکبر عتیق اطہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی تمام مفسرین کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ سب سے بڑا متقی پرہیزگار حضرت سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ہی کہا گیا ہے اور جو سب سے زیادہ متقی اور پرہیز گار ہے وہ فضیلت والا ہے۔ یہی اللہ رب العزت کا حکم ہے۔ ان اکرم کم عند اللہ اتقٰکم۔ بے شک اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں زیادہ عزت و فضیلت والا وہ ہے جو تم میں زیادہ متقی و پرہیز گار ہو۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہر نبی کے دو وزیر آسمان والوں سے اور دو وزیر زمین والوں سے ہوتے ہیں میرے آسمانی وزیر حضرت جبرئیل اور حضرت میکائیل علیہما السلام ہیں اور زمینی وزیر حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما ہیں(ترمذی)۔ بعد انبیاء و مرسلین تمام مخلوقات الٰہی انس وجن و ملک سے افضل صدیق اکبر ہیں پھر عمر فاروق اعظم پھر عثمان غنی پھر مولی علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم جو شخص مولی علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم کو صدیق یا فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے افضل بتائے گمراہ و بد مذہب ہے(بہار شریعت)عقائد کی مشہور کتاب شرح عقائد نسفی میں ہے : افضل البشر بعد نبینا ابو بکر الصدیق ثم عمر الفاروق ثم عثمان ذوالنورین ثم علی المرتضی۔تمام نبیوں کے بعد بشر میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر فاروق پھر حضرت عثمان ذوالنورین پھر حضرت علی مرتضی ہیں۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ لکھتے ہیں: اجمع اھل السنۃ ان افضل الناس بعد رسول اللہ ابو بکر ثم عثمان ثم علی ثم سائرالعشرۃ ثم باقی اھل بدر ثم باقی اھل احد ثم باقی اھل البیعۃ ثم باقی الصحابۃ ھکذا حکی الاجماع علیہ ابو منصور البغدادی(تاریخ الخلفاء)اہل سنت کا اس بات پر اجماع ہے کہ حضور نبی کریم ﷺ کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان اور پھر حضرت علی اور اس کے بعد باقی عشرہ مبشرہ پھر باقی اہل بدر اور پھر باقی اہل احد پھر باقی اہل بیت الرضوان اور پھر باقی صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم۔ ابو منصور بغدادی نے بھی اسی بات پر اجماع نقل کیا ہے۔ امام بخاری روایت

کرتے ہیں کہ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں"ہم عہد رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں صحابہ کرام میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دیا کرتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور طبرانی نے کبیر میں اس قدر اور زیادہ کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس بات کی خبر ہوئی تھی اور آپ نے ناپسند نہ فرمایا۔ ابن عمر رضی اللہ تعالی عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی میں حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق، حضرت عثمان اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہم کو فضیلت دیا کرتے تھے (ابن عساکر) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کے پاس جب بہت زیادہ صحابی جمع ہوتے تو کہتے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق پھر حضرت عمر پھر حضرت عثمان رضی اللہ تعالی عنہم ہیں اس کے بعد ہم خاموش ہو جاتے (ابن عساکر)۔ جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ ایک بار حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کو کہا "یا خیر الناس بعد رسول اللہ ﷺ" یعنی اے رسول اللہ ﷺ کے بعد سب سے افضل الخ (ترمذی)۔ محمد بن علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ میں نے اپنے والد ماجد حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ الکریم سے دریافت کیا "ای الناس خیر بعد رسول اللہ قال: ابو بکر قلت ثم من قال عمر وخشیت ان یقول عثمان قلت ثم انت حال ما انا الارجل من المسلمین (بخاری)۔ کہ نبی ﷺ کے بعد کون افضل ہے؟ آپ نے فرمایا حضرت ابو بکر میں نے کہا ان کے بعد فرمایا حضرت عمر ہیں اور میں ڈرا کہ اب حضرت عثمان کو فرمائیں گے میں نے عرض کیا پھر آپ افضل ہیں تو آپ نے (انکساری کے طور پر) فرمایا کہ میں تو ایک مسلمان ہوں۔ حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے ، انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے بعد اس امت میں سب سے بہتر حضرت ابو بکر صدیق ہیں پھر حضرت عمر ہیں رضی اللہ تعالی عنہما (احمد) ذہبی کہتے ہیں کہ یہ حدیث حضرت علی رضی اللہ عنہ سے درجہ تواتر تک پہنچی ہے خدا رافضیوں پر لعنت کرے وہ کیسے جاہل ہیں۔ حضرت عمر روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا ہمارے سردار ہم سے بہتر اور ہم سب سے رسول اللہ ﷺ کے زیادہ محبوب ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ نے ایسا ایسا کیا ہے(ترمذی) حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہ نے فرمایا: نبی ﷺ کے بعد اس امت میں سب سے افضل حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ ہیں جو اس کے خلاف کرے گا وہ کذاب ہے اور اسے مفتری کی سزا ملے گی (ابن عساکر) حضرت علی رضی اللہ نے فرمایا: جو شخص مجھے حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ تعالی عنہما پر فضیلت دے گا میں اسے کذاب کی حد لگاؤں گا (ابن عساکر) حضرت ابو درداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: انبیاء کے بعد آفتاب کسی ایسے شخص پر طلوع نہیں ہوا جو ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ سے افضل ہو (ابو نعیم) مندرجہ بالا آیات و

احادیث، صحابہ کرام اور مفسرین کرام کے فیصلہ سے صاف ظاہر ہے کہ حضرت سیدنا صدیق اکبر عتیق اطہر رضی اللہ تعالیٰ عنہ انبیاء و مرسلین کے بعد سب سے افضل ہیں اللہ تعالیٰ شان سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ماننے کی توفیق عطا فرمائے اور گمراہ لوگوں سے محفوظ رکھے۔
آمین بجاہ النبی الکریم الامین صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

بدبخت ہے وہ شخص جو مر جائے مگر اس کا گناہ نہ مرے یعنی وہ کوئی ایسا برا کام شروع کر جائے جو اس کے مرنے پر بھی جاری رہے۔
(حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ)

اسلامی نظام حیات ہی میں فلاح ہے!

از قلم:۔ مولانا محمد مصطفیٰ رضا نظامی

یہ بات کسی اہل دانش پر مخفی نہیں کہ کسی بھی عمل کا کوئی نہ کوئی طریقہ ہوتا ہے اگر اس کے برخلاف اس عمل کو انجام دیا جائے تو اس کی تکمیل تو ہوتی ہے لیکن اس میں فساد پایا جاتا ہے مثلا اگر کوئی بجلی کا کام کرنے والا بلب کو بند کرنے کے آلہ (سیوچ بٹن) کو الٹا سیٹ کردے تو ایسا نہیں ہے کہ اس سے بلب کو بند نہیں کیا جا سکتا ہے کیا جا سکتا ہے لیکن اس میں فساد ہے وہ یہ کہ کوئی بھی اجنبی شخص اس کو ایک بار میں بغیر کسی سے مدد لیے بند کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکتا ہے جب کہ یہ ایک معمولی کام ہے جو کوئی بھی بآسانی کر سکتا ہے۔ اسی طرح زندگی گزارنے کا بھی ایک طریقہ ہے جسے ہمیں مذہب اسلام نے سیکھایا۔

لفظ اسلام یہ سلم سے ماخوذ ہے جو فعل رباعی اسلم کا مصدر ہے جس کا معنی خدا کے حکم اور اس کی ممانعت کو بغیر کسی اعتراض کے تسلیم کرنا ہے۔ اور جہاں تک محاوراتی معنی کا تعلق ہے تو یہ محمد رسول اللہ ﷺ کا لایا ہوا مذہب ہے، جس کے بارے میں مسلمان یقین رکھتے ہیں کہ وہ شریعت ہے جس کے ساتھ خدا نے آسمانی پیغامات پر مہر ثبت کردی ہے۔ اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی ایک حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسلام کی تعریف کی ہے: "اللہ کی عبادت کرنا اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا، فرض نمازیں ادا کرنا، فرض زکوٰۃ ادا کرنا،رمضان کے روزے رکھنا اور بیت اللہ کی زیارت کرنا۔"

اس اسلام نے آج سے ۱۴۰۰ سال پہلے بنی نوع انسان کو نظام حیات کا درس دیا تو بتایا کہ بڑوں کا ادب کرو چھوٹوں پر شفقت کرو والدین کی نافرمانی سے باز آ جاؤ اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھو اورپھر سب کے حقوق کو بالتفصیل بیان کردیا اس طرح سبھوں نے اسلامی نظام حیات کو جان لیا پھرجو بیٹیاں باپوں پر اس قدر گراں گزرتی تھی کہ زندہ درغور کر دی جاتی تھی وہ رحمت بن گئی اور امت محمدیہ نے اسلامی نظام حیات کومضبوطی سے تھام کرخوش حال اور الفت ومحبت والی زندگی بسر کرنے لگی۔ اور پھر جیسے جیسے زمانہ گزرتا گیا اولاد آدم نے مال ومتاع کی لالچ میں اسلامی نظام حیات کے دامن کوچھوڑنا شروع کردیا توطلب جہیز،بیٹیوں کو وراثت نہ دینا،اپنے مال سےزکاۃ کی ادائیگی نہ کرنا جیسے عمل کو اختیار کر لیا۔

اور آج یہ بات کسی پر مخفی نہیں ہے کہ جہیز کا رواج قوم مسلم میں کس قدر شباب پر ہے اسلام نے نکاح کو جتنا آسان بنایا اس مسلم قوم نے اسے اتنا ہی مشکل بنادیا ہے نکاح کے بابرکت بندھن پر بے شمار رسومات، تقریبات، خرافات اور فضول اخرجات کے بوجھ کو ایسے فروغ دیا کہ ایک غریب شخص ہی نہیں بلکہ متوسط درجے کے آدمی کے لیے بھی وہ ایک ناقابل تسخیر پہاڑ بن کر رہ گیا اور جب کہ نکاح میں ہونے والے تمام رسومات و خرافات اور فضول خرچی سے صرف طرف ثانی(صاحب بیٹی) کو ہی نہیں بلکہ طرف اول(صاحب بیٹا) کو بھی مشقت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے اور اس کی وجہ ہے اسلامی نظام حیات کی خلاف ورزی کرنا۔حدیث پاک ہے جس کی راوی حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہاہیں فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا"سب سے بابرکت نکاح وہ ہے جس میں کم خرچ ہو۔وعن عائشۃ قالت قال النبي صلی اللہ علیه وسلم: "إن أعظم ا لنکاح برکۃً أیسرہ مؤنۃً"(مشکوۃ المصابیح: ج2، ص268)۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک سادی شادی ہوتی رہی طلب جہیز سے لوگ بچتے رہے بیویاں شوہروں کی عزت، حکم کی فرما برداری اور "الرجال قوامون علی النسائ" پر عمل کرتی رہی اور آج سماج و معاشرہ کا جائزہ لیجیے تو یہ دیکھنے کو ملتا ہے کہ ہر بیوی تسخیر شوہر چاہتی ہے، ہر بہو اپنے سسرال میں پکی پکائی روٹی توڑنا چاہتی ہے جس کی وجہ سے آئے دن طرح طرح کے فتنہ جنم لیتا ہے اور اس کی وجہ ہے طلب جہیز۔

اسلامی شریعت اورامت محمدیہ میں نکاح کاکوئی خرچ عورت کے ذمہ نہیں رکھا گیا بلکہ اس کے برعکس نکاح میں عورت کومرد کی طرف سے مہر ملے گا جو عورت پر خرچ کیا جائے گا نہ کہ اس سے مانگا جائے گا۔ یہ الگ بات ہے کہ ہروالدین اپنی بیٹی کو رخصتی کے وقت اپنی خوشی سے تحفہ کے طور پر ضروری سامان دیتے ہیں لیکن اس کو مروجہ جہیز کا نام دے دیناسراسرغلط ہے کیوں کہ جب حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا کانکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا تونبی کریم ﷺ بھی اپنی بیٹی کوضرورت کے سامان دیئے تھے جیسا کہ حدیث پاک میں ہے جس کے راوی خودحضرت علی ہیں بیان کرتے ہیں کہ "رسول اللہ ﷺ نے سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کا جہیز تیار کیا ایک چادر، ایک مشکیزہ اورایک تکیہ جس میں اذخر گھاس بھرا ہوا تھا"۔ عن علی رضی اللہ عنہ قال جھز رسول اللہ ﷺ فاطمۃ في خمیل وقربۃ و وسادۃ حشوھا اذخر(سنن نسائی: رقم الحدیث 3386)۔ مرد کوعورت پرفضیلت حاصل ہے اس کی اہم وجہ مرد کا عورت پر مال خرچ کرنا ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الرجال قوامون علی النسائ بما فضل اللہ بعضھم علی بعض وبما انفقوا من اموالھم(سورہ: النساء، آیت: 34)۔ ترجمہ:- مرد افسر ہیں عورتوں پراس لیےکہ اللہ نے ان میں ایک کو دوسرے پر فضیلت دی اور اس لیے کہ مردوں نے ان پر اپنے مال خرچ کیے۔ یعنی کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مرد کو عورت کا حاکم بنایا کیونکہ یہ اس کو مہر دیتا ہے

اوراس کا نفقہ ادا کرتا ہے۔لیکن جب کوئی جہیز طلب کرتا ہے تو "النساء قوامون علی الرجال" کے مترادف ہو جاتا ہے اور اللہ تعالی اس پر یہ عذاب مسلط فرما دیتا ہے کہ اس کی بیوی تسخیر شوہر چاہنے لگتی ہے۔ گویا آج سماج ومعاشرہ میں جو بیویاں اپنےخاوندوں کی عزت نہیں کرتی ان کا کہانہیں مانتی یہ(طلب جہیز) اسلامی نظام حیات پر عمل نہ کرنا ہے ان باتوں سے ہمیں یہ سبق ملتا ہے کہ*اسلامی نظام حیات ہی میں فلاح ہے۔ آج بھی قوم مسلم امن و محبت والی خوش حال زندگی گزار سکتی ہے اگر زکاۃ کی ادائگی کرنے لگے جہیز لینا ترک کر دے اور بیٹیوں کو ان کی وراثت دینے لگے اور غریبوں کا حق نہ مارے۔

ہار کے بھی نہیں مٹی دل سے خلش حیات کی
کتنے نظام مٹ گئے جشن ظفر کے بعد بھی۔

سچائی میں اگرچہ خوف ہے مگر باعث نجات ہے اور

جھوٹ میں گو اطمینان ہو مگر موجب ہلاکت ہے

حقیقی ولایت اور دور حاضر کے ڈھونگی پیر

از قلم:- مولانا محمد جاوید اختر مرکزی

اس پر فتن دور میں نگر نگر ڈگر ڈگر ہر عقیدت مند لوگوں کے رو برو اپنے پیر کا تعرف ولی اللہ کی صفت سے متصف کر کے کرا رہاہے اور اس کی تعریف میں رطب اللسان ہےخواہ پیر طریقت کا شناسا ہو یا نہ ہو، شریعت کے پیروکارہو یا نہ ہو۔اورآج کا پیر بھی اپنے عقیدت مندوں کو راہِ حق سے ہٹا کر راہ ہلاکت کے دہانے پر پہنچا رہا ہے اور دنیاکے مال ومتاع اکٹھا کر رہا ہے اس کے باوجود بھی ولی ہونے کا دعویٰ کر رہاہے اورخواب غفلت کی نیندلے رہاہے اور اس سےغافل ہےاللہ بروز قیامت باز پرس کرنے والا ہے۔در حقیقت یہ ولی کہلانے کے قابل نہیں اور ولی کی حقیقت سے ناواقف ہے۔ آیئے ہم ولی کی تعریف، علامت اورقسم سےواقف ہونے کی کوشش کرتےہیں۔

ولی کی تعریف: ولی ولاء سےمشتق ہے اور ولاء و توالی کالغوی معنی یہ بیان کیا گیا ہے "یحصل شیأن فصاعدا حصولا لیس بینھمامالیس منھما ویستعارللقرب من حیث المکان ومن حیث النسبة ومن حیث الدین ومن حیث الصداقة والنصرة والاعتقاد، وفي القاموس:الولي القرب والدموع والولي اسم منه بمعنی القریب والمحب والصدیق والنصیر" یعنی دویا زائد اشیاء کابراہ راست بلا واسطہ تعلق واتصال اورمجازاً اس سے قرب مراد ہوتا ہے خواہ یہ مکانی ہویا نسبی یا دینی یا دوست یامدد واعتقادکے لحاظ سے ہو۔ اور قاموس میں ہے: ولی قرب ولی۔ولی سے صفت کا صیغہ ہے جس کا معنی ہے قرب رکھنے والا، دوست، مددگار۔ (تفسیر مظہری سورہ یونس تحت آیت:٦٢،٤/٣٤٦) "فولی اللہ ھو الذي یتقربوا الی اللہ بکل ما افترض علیه ویکون مشتغلا باللہ مستغرق القلب في معرفة نور جلال اللہ فإن رأی رأی دلائل قدرة اللہ و إن سمع سمع آیات اللہ وإن نطق نطق بالثناء علي اللہ وإن تحرک تحرک في طاعة اللہ وإن اجتھد اجتھد فیما یقربه إلي اللہ لا یفتر عن ذکر اللہ ولا یري بقلبه غیر اللہ ،فھذہ صفة أولیاء اللہ وإذا کان العبد کذلک کان اللہ ولیه و ناصیره و معینه" تو اللہ کا ولی وہ ہے جوفرائض سےقرب الہی حاصل کرے اور اطاعت الہی میں مشغول رہے اور اس کا دل جلال الہی کےنور کی معرفت میں ڈوبا ہوا ہو جب دیکھےقدرت الہی کےدلائل کودیکھے اور جب سنے تو اللہ کی آیات ہی سنے جب بولے تو اپنے پروردگارکی ثناء کےساتھ بولے حرکت کرے اپنے معبود کی اطاعت میں حرکت کرے جب کوشش کرےتو اسی امرمیں کوشش کرےجوذریعہ قرب الہی ہو ذکر الہی سےنہ تھکے چشم دل سےخداکےسوا غیر کو نہ دیکھے یہ اولیاء کی صفت ہے۔ بندہ جب اس حال پر پہنچتا ہےتو اللہ تعالی اس کاولی وناصراور معین ومددگارہوتاہے۔(تفسیر خازن،سورہ یونس،تحت آیت: ٦٢، ٢/٤٥١)

علامت ولی: در اصل یہ کہ ولی کی رسائی پانا مشکل امر ہے۔ حضرت ابو یزید قدس سرہ نے

فرمایا: "أولیاء اللہ تعالی عرائس ولایری العرائس إلا من کان محرما لھم" مطلب یہ کہ اللہ کے اولیاء رحمت خداوندی کی دلہن ہیں جس سے صرف اس کا محرم باریاب ہوسکتاہے۔اور شیخ ابو عباس نے فرمایا: "معرفة الولي اصعب من معرفة اللہ فان اللہ معروف بکمالہ وجمالہ متی یعرف مخلوق مخلوق مثلہ یاکل کما یاکل ویشرب کما یشرب" یعنی ولی کی پہچان خُدا کی پہچان سے مشکل ترہے کیونکہ رب تبارک و تعالیٰ اپنی ذات و صفات میں مخلوق سے اعلیٰ و بالا ہے اور مخلوق اس پر گواہ ہے مگرولی شکل و صورت اور خورد و نوش میں بالکل انسان کی طرح۔(تفسیر روح البیان ٤/٦٠) ہمیں اپنے بزرگان دین کا شکر گزار ہونا چاہیے کہ انہوں نے اس کا بھی حل نکال دیا اور ولی کی کثیر علامات اپنی نوشتہ میں درج کر دیں جیسے:

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "ھم قوم تحابوا فی اللہ علی غیر ارحام بینھم ولا اموال یتعاطونھا فواللہ ان وجوھھم لنور،وانھم لعلی منابرَ من نور، لا یخافون اذاخاف الناس ولایحزنون اذاحزن الناس ثم قرأ ھذہ الایة. (اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ)" اولیاء اللہ وہ ہیں جواللہ کے لیےآپس میں محبت کریں، اگرچہ ان میں رحم کے رشتے بھی نہ ہوں اور نہ کوئی مالی لین دین ہو۔خداکی قسم ان کے چہرے نورانی ہوں گے اور وہ نور کے منبروں پر رونق افروزہوں گے۔جب لوگ تھرتھر کانپتے ہوں گے، انہیں کوئی خوف نہ ہوگا اور جب لوگ غمزدہ ہوں گے، وہ غم سے محفوظ ومامون ہوں گے۔پھر نبی کریم ﷺ نے یہ آیت پڑھی۔ "سن لو بیشک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے نہ کچھ غم۔وہ جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے ہیں"۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک شخص نےعرض کیا یا رسول اللہ! اولیاء اللہ کون ہیں حضور نے فرمایا: "ھم الذین یذکر اللہ لرؤیتھم" اولیاء وہ ہیں جن کو دیکھنے سے اللہ یاد آجائے۔

حضرت ابو بکر اصم نے فرمایا: "أولیاء اللہ الذین تولی اللہ ھدایتھم وتولوا القیام بحق العبودیة للہ والدعوة إلیہ" اولیاء اللہ وہ ہیں جن کی ہدایت کا دلیل سے اللہ ضامن ہے اور وہ اللہ کی حق بندگی اداکرنے اور اس کی دعوت کے وہ ضامن ہیں۔

حضرت ابن زید نے فرمایا: ھم (الذین آمنوا وکانوا یتقون) اولیاء اللہ وہ ہیں جن میں وہ صفت ہو جو اس آیت میں مذکور ہے (الذین آمنوا وکانوا یتقون) یعنی جو ایمان اور تقویٰ کا جامع ہو۔

متکلمین نے فرمایا: "ولي اللہ من کان آتیاً بالاعتقاد الصحیح المبني علی الدلیل ویکون آتیاً بالأعمال الصالحة علی وفق ما وردت بہ الشریعة" اللہ کا ولی وہ ہے جس کا عقیدہ درست ہو، مبنی بر دلیل ہو اورجس کے اعمال صالحہ شریعت کے مطابق بجا لاتا ہو۔

بعض عارفین نے فرمایا: "إن الولایة عبارة عن القرب من اللہ ودوام الاشتغال باللہ وإذا کان

العبد بهذه الحالة فلا يخاف من شيء ولا يحزن على شيء لأن مقام الولاية والمعرفة منعه من أن يخاف أو يحزن. ولایت نام ہے قرب الہی اور ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ مشغول رہنے کا، جب بندہ اس مقام پر پہنچتا ہے تو اس کو کسی چیز کا خوف نہیں رہتا اور نہ کسی شئ کے فوت (ضائع) ہونے کا غم ہوتاہے۔کیوں کہ مقام و معرفت ولایت خوف و غم کے مانع ہیں ۔(تفسیر خازن سورہ یونس تحت آیت ٦٢، ٢/٤٥٠-٤٥١)

مذکورہ بالا علامات کے معانی اورعبارات اگرچہ جُدا گانہ ہیں لیکن ان میں اختلاف کچھ بھی نہیں ہے کیونکہ ہر ایک عبارت میں ولی کی ایک ایک صفت بیان کردی گئ ہے۔ جسے قرب الہی حاصل ہوتا ہے یہ تمام علامات اس میں ہوتی ہیں، ولایت کے درجے اور مراتب میں ہر ایک بقدر اپنے درجے کے فضل و شرف رکھتا ہے۔

اقسام اولیاء: اولیاءِ کرام کی کثیر آقسام ہیں اور اس بارے میں آکابر علماء و محدثین نے بڑا تفصیلی کلام فرمایاہے۔لیکن یہاں حضرت علامہ نبہانی علیہ الرحمہ کی کتاب جامع کرامات اولیاء کے حوالےسے چند مشہور آقسام بیان کی جاتی ہیں:

١.آقطاب۔ یہ قُطب کی جمع ہے۔ قطب اسے کہتے ہیں کہ جو خود یا کسی کے نائب کے طور پر حال اور مقام دونوں کا جامع ہو۔

٢.آئمہ۔ یہ وہ حضرات ہیں کہ جو قطب کےانتقال کے بعد اس کے خلیفہ بنتے ہیں اور وہ قطب کیلئے وزیر کی طرح ہوتے ہیں۔ہر زمانے میں ان کی تعداد دو ہوتی ہے۔

٣. آوتاد۔ہر زمانے میں ان کی تعداد چار ہوتی ہے،اس سےکم یا زیادہ نہیں ہوتے۔ان میں سے ایک کے ذریعے اللہ تعالیٰ مشرق کی حفاظت فرماتا ہے، دوسرےکےذریعے مغرب کی ، تیسرے کے ذریعے شمال کی اور چوتھے کے ذریعے جنوب کی حفاظت فرماتا ہے اور ان میں سے ہر ایک کی اپنے حصے میں ولایت ہوتی ہے۔

٤. آبدال۔ ان کی تعداد سات ہوتی ہے، اس سے کم یا زیادہ نہیں ہوتے، اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے ساتوں برِّ آعظم کی حفاظت فرماتا ہے، انہیں ابدال اس لئے کہتے ہیں کہ جب یہ کسی جگہ سے کوچ کرتے ہیں اور کسی مَصلحت اور قربت کی وجہ سے اس جگہ اپنا قائم مقام چھوڑنے کاارادہ کرتے ہیں تو وہاں ایسے آدمی کو نامزد کرتے ہیں کہ جو ان کا ہم شکل ہو اور جو کوئی بھی اس ہم شکل کو دیکھے تو وہ اسے اصلی شخص ہی سمجھے حالانکہ وہ ایک روحانی شخصیت ہوتا ہے جسے ابدال میں سے کوئی بدل قصداً وہاں ٹھہراتا ہے۔ جن آولیاء میں یہ قوت ہوتی ہے ، انہیں ابدال کہتے ہیں۔

٥. رِجال الغیب۔ اَہلُ اللہ کی اِصطلاح میں یہ وہ لوگ ہیں جو رب کی بارگاہ میں انتہائی عاجزی کا اظہار کرتے ہیں اور تجلیاتِ رحمٰن کے غلبے کے سبب آہستہ آواز کے سوا کچھ کلام نہیں کرتے، ہمیشہ اسی

حال میں رہتے ہیں ، چھپے ہوئے ہوتے ہیں پہچانے نہیں جاتے، اللہ تعالیٰ کے سوا کسی سے مُناجات نہیں کرتے اوراس کے سوا کسی کے مشاہدے میں مشغول نہیں ہوتے۔بعض اوقات اس سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں کہ جو انسانی نگاہوں سے پوشیدہ ہوں اور کبھی اس کا اِطلاق نیک اور مومن جنات پر ہوتا ہے۔ بعض اوقات ان سے مراد وہ لوگ ہوتے ہیں جوظاہری حواس سے علم اوررزق وغیرہ نہیں لیتے انہیں غیب سے یہ چیزیں عطا ہوتی ہیں۔ (جامع کرامات اولیاء، القسم الاول فی ذکر مراتب الولایۃ۔۔ الخ، ۱ / ۶۹، ۷٤)

دور حاضر کا پیر: دور حاضر میں شریعت کی خلاف ورزیوں میں مبتلا کچھ لوگ پیری مریدی اور طریقت کی آڑ لے کربھولی بھالی عوام کو بیوقوف بنا رہے ہیں، اور ہمہ وقت گناہوں کا کُھلے عام ارتکاب کرنے والے کچھ لوگ طریقت کی آڑ لے کر عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ آج کل گناہوں کے انبار میں مستغرق ہو جانے والے کچھ لوگ اپنے باطل خیال میں ولی بن کراپنے مکروہ دھندے چلا رہے ہیں۔ بے شُمار بدعَقیدہ اور گمراہ لوگ بھی تَصَوُّف کا ظاہری لبادہ اوڑھ کر لوگوں کے دِین و اِیمان کو برباد کر رہے ہیں اور انہی غَلَطَ کار لوگوں کی وجہ سے لوگ حقیقی اولیاء اللہ سے بدظن اور متنفر ہوتے جا رہے ہیں۔ ذہن نشین رہے کہ نمازیں چھوڑنے والا، نامحرم عورتوں کے جھرمٹ میں رہنے والا، اجنبی خواتین سے ہاتھ پاؤں دَبوانے والا، منشیات کے نشے میں ڈُوب کر تصوف اور طریقت کی رَٹ لگانے والا، بالوں کو کندھوں سے بڑھا کران کی چُٹیا باندھنے والا،شیطانی عملیات کےنام پرلوگوں کی جیبیں خالی کرالینے والا، ناچ گانے اور رقص کی محفلوں میں شرکت کرنے والا کبھی پیر نہیں ہو سکتا اَلغرض! شریعت کی خلاف ورزیاں کرنےوالا پیرنہیں ہے۔بلکہ شریعت کی اِتّباع کا درس دینے والا،دِین کی پاسداری کرنے اورکروانے والا پیر ہے۔ قرآن و سنت کی تعلیم پر عمل پیراہونے والاپیرہے،حسنِ اخلاق کا پیکر بننے اور اپنے متعلقین کو بنوانے والا پیر ہے، دِین کی سربلندی کے لئے کوشاں رہنے والا پیر ہے۔ گناہوں سے بچنے اور دوسروں کو بچنے کا ذہن دینے والا پیر ہے۔ سُنّت تو کیا مستحبات پر پابندی سے عمل کرنےاور کروانے والا پیر ہے۔ خلاصہ یہ کہ دِین سے دُوری اور شریعت سے منہ موڑنے والاپیرنہیں ہوتا بلکہ پیر دِین پرچلنے اور شریعت کی اتباع کرنے والا پیر ہوتا ہے۔ذہن کےدریچے میں یہ بات بھی محفوظ کرتے چلیں کہ کسی کوپیر ہونے کے لئے چار شرائط کا لحاظ انتہائی ضروری ہے۔جیسا کہ سرکار اعلیٰ حضرت، شاہ امام احمد رضاخان رحمۃ اللہ علیہ پیر کی شرائط بتاتے ہوئے لکھتے ہیں کہ صحیحُ العقیدہ سُنّی ہو، عالِم ہو یعنی اتنا علم رکھتا ہو کہ اپنی ضروریات کے مسائل کتابوں سے نکال سکے، فاسقِ مُعْلِن نہ ہو یعنی اعلانیہ گناہ نہ کرتا ہو اور اس کا سلسلۂ بیعت نبی کریم ﷺ تک ملاہوا ہو ۔ (فتاویٰ رضویہ ، ۲۱ / ٤۹۱)

اولیائے کرام رَحِمَھُمُ اللہُ السَّلَام کاکسی مخصوص خاندان یانسل سےہوناضروری نہیں اورنہ ہی تشہیر و اشتہار، نمایاں جبہ و دستار اور عقیدت مندوں کی لمبی قطار ہونا ضروری ہے جس سے ان کی ولایت کی

معرفت اور شہرت ہو بلکہ اللہ تعالیٰ ولی کا درجہ اپنے برگزیدہ بندوں میں سے جسے چاہتا ہے محض اپنے فضل و کرم سے نوازتا ہے اور یہ وہبی شی ہے یعنی کوئی اپنے اعمال شاقہ کی وجہ سے نہیں حاصل کر سکتا البتہ غالباً اعمال حسنہ اس عطیہ الٰہی کے لئے ذریعہ ہوتے ہیں اور بعض کو ابتداء ملتا ہے۔ فضل خداوندی کسی نسل یا قوم ہی کے ساتھ خاص نہیں، یہ نفوس قدسیہ مسلمانوں کی ہر قوم اور ہر پیشہ کرنے والوں میں ہوتے رہے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے کبھی مزدور کے بھیس میں، کبھی سبزی اور پھل فروش کی صورت میں، کبھی تاجر یا ملازم کی شکل میں، کبھی چوکیدار یا معمار کے روپ میں بڑے بڑے اولیا ہوتے ہیں۔ ہر کوئی ان کی شناخت نہیں کر سکتا۔ لہذا ہمیں ہر نیک بندے کا ادب واحترام کرنا چاہیے کہ نہ جانے کون گدڑی کا لعل ہو۔

میں پوری زندگی میں دو بندوں کو تلاش کرنے پر بھی تلاش نہ کر سکا، ایک وہ جس نے اللہ کے نام پہ دیا ہو اور غریب ہو گیا ہو اور دوسرا وہ جس نے ظلم کیا ہو اور اللہ کی پکڑ سے بچ گیا ہو۔

اولیائے کرام کے تصرفات اور مخالفین کے اعتراضات کی حقیقت

از قلم:- مولانا محمد یوسف رضا ضیائی

کائنات ہستی کی ہر شیئ جس کے حکم سے متحرک یا ساکن ہے وہ ذات اللہ جل شانہ کی ہے اس کی مشیت , حکم اوراس کی عطا کردہ قدرت کے بغیر کسی کو کسی میں کسی قسم کے تصرف کی کیا مجال ہے جبکہ ہرشیئ اپنے وجود ہی میں اس ذات لم یزل ولم یزال کی محتاج ہے اسی نے ہر موجود کو وجود بخشا اور جسے چاہا جتنا چاہا اختیار عطا فرمایا۔اس سے اس کے خزانہ قدرت میں کوئی کمی آئی نہ ہی اس پر کوئی حاکم جو اسے کسی نعمت کو عطا کرنے سے روک سکے۔ اسی نے بندوں کی ہدایت کے لیے انبیاے کرام علیھم الصلوات والتسلیمات کو مبعوث فرمایا اور ان کے دعوی نبوت کو سچ ثابت کرنے کے لیے معجزات کو ظاہرفرمایا اورپھر ان کا نائب علماے دین کو بنایا اور ان میں سے جسے چاہا اپنا قرب خاص عطا فرماکر منصب ولایت سے سرفراز فرمایا اور وہ اولیاے کرام کے نام سے مشہور ہوے ان کو دین و دنیا میں تصرف کی عظیم نعمت عطا فرمائی جسے کرامت کہا جاتا ہے،حدیث قدسی ہے" وما یزال عبدی یتقرب الی بالنوافل حتی أحبہ فاذا أحببتہ، کنت سمعہ الذی یسمع بہ، وبصرہ الذی یبصر بہ، ویدہ التی یبطش بھا، و رجلہ التی یمشی بھا، وإن سألنی لاعطینہ"(صحیح البخاری) (اللہ تعالی فرماتا ہے)بندہ نوافل کے ذریعے میرا قُرب حاصل کرتا رہتا ہے،کرتا رہتا ہے,یہاں تک کہ میں اس سے محبت فرمانے لگتا ہوں،پس جب میں بندے سے محبت فرماتا ہوں, میں اس بندے کے کان ہوجاتا ہوں جن سے وہ سنتا ہے ، اس بندے کی آنکھ ہو جاتا ہوں جس سے وہ دیکھتا ہے ، میں اس بندے کے ہاتھ ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا ہے، اورمیں اس بندے کے پاؤں ہو جاتا ہوں جن سے وہ چلتا ہے اور اگر میرا بندہ مجھ سے کچھ مانگے تو میں ضرورعطا کرتا ہوں.

جب اللہ تعالی اپنے بندے کو محبوب بنا لیتا ہے یعنی اسے ولایت کا درجہ عطا فرماتا ہے تو اس کے کان، آنکھ،ہاتھ اور پیرمیں جلال قدرت باری تعالی کی وہ جلوہ نمائی ہوتی ہے کہ یہ اعضاء توبندے کے ہوتے ہیں مگر ان سے ہونے والے کاموں کو اللہ تعالی اپناکام کہتاہے کام تو ہر مومن و کافر بندے کا اللہ تعالی کی عطاکردہ استطاعت سے ہی ہوتاہے مگروہ خاص کیا ہے جو اللہ تعالی اپنے محبوبین بندوں کو عطا فرماتا ہے وہ اختیار وتصرف ہےاور اختیار وتصرف تو ہر مومن وکافر کو ہے اور اسی وجہ سے وہ ثواب و عقاب کے حقدار لہذا وہ خصوصی تصرف واختیار کیا ہے؟ تواس کا جواب یہ ہےکہ ان مقدس نفوس قدسیہ کے لیے غائب و حاضر قریب وبعید کا فرق ختم کر دیا جاتا ہے جس طرح وہ قریب کی آواز سنتے ہیں دور کی بھی سنتے ہیں جس طرح وہ قریب کی چیزوں کا مشاہدہ کرتے ہیں دور کی چیزیں بھی اسی طرح ان کے لیے واضح اور نمایاں ہوتی ہیں جس طرح وہ اپنے پاس موجود شخص کی مدد کرنے پر قادر ہوتے ہیں

سیکڑوں میل دور افراد کی مدد کرنے پر بھی قادر ہوتے ہیں جس طرح وہ ان چیزوں کے ذریعہ مدد کرنے پر قادر ہوتے ہیں جو عام لوگ کر سکتے ہیں اسی طرح وہ ان چیزوں کے ذریعہ مدد کرتے ہیں جو عام لوگوں کی طاقت سے باہر ہو جس طرح وہ اپنی دنیاوی زندگی میں مدد پر قادر ہوتے ہیں حیات برزخی میں بھی ان کے جود و کرم کا دریا رواں دواں رہتا ہے۔ اس لئے کہ یہ مقام و مرتبہ ان کو اس لیے حاصل ہے کہ اللہ تعالی نے انھیں مرتبہ ولایت سے سرفراز فرمایا ہے اور یہ مقام و منصب موت سے ختم نہیں ہوتا بلکہ درجہ کمال کو پہنچ جاتا ہے اور اس حدیث شریف میں صاف طور پر موجود ہے کہ اللہ تعالی کے ولیوں کی یہ شان ہوتی ہے کہ وہ اللہ تعالی سے جو مانگتے ہیں اللہ تعالی انھیں ضرور عطا فرماتا ہے یہ اللہ تعالی کا وعدہ ہے اسی لئے ہم اپنی حاجتیں ان کی پاکیزہ بارگاہوں میں پیش کرتے ہیں کہ اگر وہ ہمارے لیے اللہ تعالی کی بارگاہ میں دست سوال دراز کر دیں گے تو اللہ تعالی ان کی دعا رد نہیں فرمائے گا۔ حدیث شریف میں ہے عن أبي هريرة قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم :((رب أشعث اغبر مدفوع بالأبواب، لو أقسم على الله لابره))؛رواه مسلم. ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا کہ ”بہت سارے پراگندہ بال والے،لوگوں کے دھتکارے ہوئے ایسے ہیں کہ اگر اللہ تعالی پر قسم کھالیں تو اللہ تعالی اُن کی قسم پوری فرما دے“۔ اولیاے کرام کے باتصرف اور با اختیار ہونے کا کتنا واضح ثبوت ہے کہ اگر وہ اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ تعالی ان کی قسم رد نہیں فرماتا ہے بلکہ پورا فرمادیتا ہے۔

اہل حق اہل سنت کا عقیدہ ہے کہ اولیاے کرام سے ہم جو مانگتے ہیں اسی اعتقاد سے مانگتے ہیں کہ ان کو عطا کرنے کی طاقت اللہ تعالی نے بخشی ہے اب اگر کوئی اس کا انکار کرتا ہے تو یہ انکار دو وجہ سے ہو سکتا ہے ایک یہ کہ اللہ تعالی یہ طاقت عطا کرنے کی اہلیت نہیں رکھتا یا بندہ میں اس کی اہلیت نہیں ہوتی پہلی بات کہ اللہ تعالی بندوں کو عالم میں تصرف کی قدرت عطا فرمانے پر قادر ہے اس کا انکار کوئی گمراہ بددین ہی کر سکتا ہے اور جب وہ عطا کرنے پر قادر ہے، ضرور قادر ہے تو بندوں کو اس قابل بنانے پر بھی ضرور قادر ہے اس لیے کہ وہ ہر اس شئ پر قادر ہے جو محال اور واجب نہ ہو اور عالم میں تصرف کی قدرت عطا کرنا اور اس کا اہل بنانا محال نہیں ہے تو ضرور ممکن ہے اور رہی بات ثبوت کی کہ کیا اللہ تعالی نے اپنے بندوں میں سے کسی کو یہ طاقت عطا کی ہے تو اس پر ہزاروں شواہد قرآن و حدیث میں موجود ہیں۔

پہلی شہادت: حضرت سلیمان علیہ السلام کا لشکر وادی نمل سے تین میل کی دوری پر ہے اور ایک چیونٹی کو خبر ہو جاتی ہے کہ یہ لشکر یہیں پہنچنے والا ہے اور اگر چیونٹیاں اپنے سراخ میں نہیں جاتی ہیں تو یہ لشکر ان کو کچل دے گا اسی لئے ایک چیونٹی جس کو اس بات کی خبر ہوتی ہے کہتی ہے جسے اللہ تعالی اپنے کلام قدیم میں بیان فرماتا ہے:" يٰاَيها النمل ادخلوا مسٰكنكم لَا يحطمنكم سليمٰن و جنودهٗ و هم لَا يشعرون".اے چیونٹیو!

اپنے گھروں میں داخل ہوجاؤ، کہیں سلیمان اور ان کے لشکر بے خبری میں تمہیں کچل نہ ڈالیں اور حضرت سلیمان علیہ السلام وہیں سے چیونٹی کی اس بات کو سن کر مسکرانے لگتے ہیں۔ تو جب ایک چیونٹی کو یہ طاقت اللہ تعالی عطا کردیتا ہے تو جو اس کے نیک بندے ہیں جن کی شان یہ ہے کہ اگر وہ اللہ تعالی پر قسم کھالیں تو اللہ تعالی اسے ضرور پورا فرمائے اور اگر کچھ مانگیں تو انھیں ضرور عطا کیا جائے وہ کسی دور دراز مقام سے اپنے فریادی کی بات سن لیں تو کون سی بڑی بات ہے؟

دوسری شہادت : جب ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کے اتنا قریب پہنچ گئی کہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے صرف ایک فرسنگ (یعنی تین میل) کا فاصلہ رہ گیا تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا: اے درباریو! تم میں سے کون ہے جو ان لوگوں کے میرے پاس فرمانبردار ہوکر آنے سے پہلے بلقیس کا تخت میرے پاس لے آئے، حضرت سلیمان علیہ السلام کی بات سن کر ایک بڑا طاقتور خبیث جن بولا : "میں وہ تخت آپ کی خدمت میں آپ کے اُس مقام سے کھڑے ہونے سے پہلے حاضر کردوں گا جہاں آپ فیصلے کرنے کے لئے تشریف فرما ہیں اور میں بیشک اس تخت کو اٹھانے پر قوت رکھنے والا اور اس میں لگے ہوئے جواہرات وغیرہ پر امانتدار ہوں"۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے فرمایا میں اس سے جلدی چاہتا ہوں ارشاد باری تعالی ہے:"قال الذی عندہ علم من الکٰتب انا اٰتیک بہٖ قبل ان یرتد الیک طرفک، فلما راٰہ مستقرا عندہ قال ھذامن فضل ربی،لیبلونی ءاشکر ام اکفر،و من شکر فاِنما یشکر لنفسہٖ ومن کفر فاِنا ربی غنی کریم"۔اس نے عرض کی جس کے پاس کتاب کاعلم تھا کہ میں اُسے حضور میں حاضر کردوں گا ایک پل مارنے سے پہلے پھر جب سلیمان نے اس تخت کو اپنے پاس رکھا دیکھا کہا یہ میرے رب کے فضل سے ہے تاکہ مجھے آزمائے کہ میں شکر کرتا ہوں یا ناشکری اور جو شکر کرے وہ اپنے بھلے کو شکر کرتا ہے اور جو ناشکری کرے تو میرا رب بے پرواہ ہے سب خوبیوں والا۔

جمہور مفسرین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ پلک جھپکنے سے پہلے تخت لانے والے حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزیر آصف ابن برخیا رضی اللہ تعالی عنہ ہیں۔ اور جب حضرت سلیمان علیہ السلام کی امت کے اولیاے کرام کو اللہ تعالی نے یہ طاقت عطافرمائی ہے تو پھر امام الانبیاء علی نبینا وعلیہم الصلاۃ والسلام کی امت کے ولیوں کے بارے میں یہ کہنا کہ انھیں کوئی اختیار اور قدرت نہیں کون سا دین اور ایمان ہے۔ قرآن مجید اور احادیث طیبہ میں اس طرح کے بہت سے واقعات ہیں جن سے ثابت ہے کہ اللہ تعالی اپنے خاص بندوں کو یہ طاقت عطا فرماتا ہے کہ عالم میں جس طرح چاہیں تصرف کریں جسے چاہیں جو چاہیں رب کی عطاکردہ طاقت سے عطا کریں علماے کرام فرماتے ہیں ہر وہ چیز جو نبی سے بطور معجزہ ثابت ہوتی ہے وہ ولی سے بطور کرامت صادر ہوسکتی ہے ہاں معجزہ کے ساتھ دعوی نبوت ہوتا ہے , اور موت و حیات کا فرق جسمانی قوت میں ہوتاہے روحانی قوت میں نہیں کہ موت جسم پرطاری ہوتی ہے روح پر نہیں اور

اولیائے کرام میں یہ قوتیں ہم جسمانی نہیں بلکہ روحانی طور پر مانتے ہیں اور سوال اولیاے کرام سے کیا جاے یا ان کے وسیلے سے رب سے مانگا جاے در حقیقت وہ سوال رب عز وجل سے ہی ہوتا ہے اور اولیاے کرام قرب الٰہی اور قبولیت کا ذریعہ ہوتے ہیں اور ہر مشکل کو صرف اور صرف اللہ تعالی ہی حل کرتا ہے اور اولیاے کرام اس کی مدد کا مظہر ہوتے ہیں اسے وسیلہ کہیے ذریعہ یا کچھ اور جس طرح موت و حیات اللہ تعالی کی جانب سے ہیں مگراللہ تعالی نے روح قبض کرنے کے لیے حضرت عزرائیل علیہ السلام کو مقرر کیا ہے وہ رب کے حکم سے روح قبض کرتے ہیں ارشاد باری تعالی ہے :"و ھو القاھر فوق عبادہ وَ یُرسِل علیکم حفظۃ حتی اذا جاء احدکم الموت توفتہ رسلنا و ھم لَا یفرطون"۔اوروہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور تم پر نگہبان بھیجتا ہے یہاں تک کہ جب تم میں کسی کو موت آتی ہے ہمارےفرشتے اس کی روح قبض کرتے ہیں اور وہ قصور نہیں کرتے۔ اس میں اللہ تعالی نے وفات دینے کی نسبت فرشتوں کی جانب کی ہے اور دوسرے مقام پر فرماتا ہے:" اَللہ یتوفی الانفس حین موتھاوالتی لم تمت فی منامھا،فیمسک الذی قضیٰ علیھا الموت و یرسل الاخریٰ الی اجل مسمیًّ، ان فی ذٰلک لاٰیٰت لقوم یتفکرون"۔ اللہ جانوں کو ان کی موت کے وقت وفات دیتا ہے اور جو نہ مریں انہیں ان کی نیند کی حالت میں پھر جس پر موت کا حکم فرمادیتا ہے اسے روک لیتا ہے اور دوسرے کو ایک مقررہ مدت تک چھوڑ دیتا ہے۔ بیشک اس میں ضرور سوچنے والوں کیلئے نشانیاں ہیں۔ اس مقام پر وفات دینے کی نسبت اللہ تعالی کی جانب ہے کیا معاذ اللہ اللہ تعالی نےفرشتوں کا اپنا شریک بنایا ہے؟ نہیں! بلکہ موت وحیات کا فاعل حقیقی اللہ تعالی ہی ہے مگر فرشتے ان کاموں پر مامور ہیں ان کوروح پھونکنے اور قبض کرنے کی قوت اللہ تعالی نے عطا کی ہے تو وہ اللہ تعالی کے عطا سے مختار ہوئے صاحب تصرف ہوئے نہ کہ مجبور محض۔

فاعل حقیقی صرف اور صرف اللہ تعالی ہے مگر اسی کی جانب سے عادت جاری ہے کہ ہر خیر و شر کا کوئی نہ کوئی سبب ہوا کرتا ہے اولیاے کرام اللہ تعالی کی نعمتوں کے اللہ تعالی کے بندوں تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں واسطہ ہیں مخلوق کوجو کچھ ملاہے یاملے گاسب اللہ تعالی کے نیک بندوں کے واسطے سے ہی ملا اور ملے گا اس کا یہ مطلب نہیں کہ اللہ تعالی بے واسطہ دینے پر قادرنہیں وہ قادر ہے ضرور قادر ہے مگر اسی نے یہ واسطے بنائےاور ان کے طفیل ہرایک کواس کاحق عطا کیا ہے، اور مخالفین کے جتنے اعتراضات ہیں وہ سب اسی بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سےہیں کہ جسے اہل حق اہل سنت وجماعت قرب الٰہی کا واسطہ مانتے ہیں وہ اسی واسطہ کو اہل سنت کا خدا مان لیتے ہیں۔ معاذ اللہ رب العالمین! مثال کے طورپر جب ہم اولیاے کرام کا وسیلہ پیش کرنے کی دلیل دیتے ہوے کہتے ہیں کہ اولیاے کرام قرب الٰہی کاذریعہ ہیں تو مخالفین اللہ تعالی کا یہ فرمان پیش کرتے ہیں"الا للہ الدین الخالص والذین اتخذوامن دونہ اولیاءما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ،ان اللہ یحکم بینھم فی ماھم فیہ یختلفون،ان اللہ لایھدی من ھو کاذب کفار"۔ سن لو!

خالص عبادت اللہ ہی کیلئے ہے اور وہ جنہوں نے اس کے سوا اور مددگار بنار کھے ہیں (وہ کہتے ہیں :) ہم تو ان بتوں کی صرف اس لئے عبادت کرتے ہیں تا کہ یہ ہمیں اللہ کے زیادہ نزدیک کردیں۔ اللہ ان کے درمیان اس بات میں فیصلہ کردے گا جس میں یہ اختلاف کررہے ہیں بیشک اللہ اسے ہدایت نہیں دیتا جو جھوٹا، بڑا ناشکرا ہو۔ مخالفین کہتے ہیں کہ مشرکین مکہ بھی وہی اعتقاد رکھتے تھے جو اہل سنت کا ہے۔ معاذ اللہ! اس طرح کہ وہ بھی بتوں کو اللہ تعالی کے قرب کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ العیاذ باللہ اور اولیاے کرام کو ماننے والے غوث و خواجہ کو اللہ تعالی کے قرب کا ذریعہ مانتے ہیں۔

لا حول ولا قوۃ الا باللہ ولعنۃ اللہ علی الماکرین

ایک کم علم انسان اس دجالی مکر کا شکار ہو سکتا ہے اور ان کی ہر دلیل ایسے ہی مکروں پر مبنی ہوتی ہے اسی لیے وہ بحث عوام سے کرتے ہیں جن کو بحث کے مبادی تک معلوم نہیں ہوتےاور اہل علم کے سامنے آنے سے ڈرتے ہیں کیونکہ انھیں مکر کا پردہ چاک ہونے کا ڈرہوتا ہے، مندرجہ بالا آیت طیبہ میں مشرکین کا کلام جو اللہ تعالی نے بیان فرمایا وہ دو باتوں پر مشتمل ہے پہلی بات بتوں کی عبادت کرنا اور دوسری بات ان بتوں کو قرب کا ذریعہ سمجھنا مگر کبھی بھی کوئی اختیارت اولیاے کرام کا منکر پہلی بات کو نہیں بتاے گا کیونکہ اسے بتانے کے بعد دھوکہ نہیں دیاجاسکتا مشرکین مکہ اللہ تعالی کے سوا جن بتوں کو قرب الہی کا ذریعہ سمجھتے تھے ان کی عبادت کرتے تھے اوراللہ تعالی کے سوا کسی کو مستحق عبادت سمجھنا ہی شرک ہے اس کی عبادت کی جاے یا نہ کی جاے تو مشرکین مکہ ان بتوں کی عبادت کی وجہ سے مشرک ہوئے نہ کہ محض قرب الہی کا ذریعہ ماننے کی وجہ سے مگر جبکہ وہ ان بتوں کو معبود مان کر قرب کا واسطہ مانتے تھے اس لیے ان کا یہ اعتقاد ضرور شرک ہے اوراگر یہ فرق نہ کیاجاے بلکہ محض کسی کو اللہ تعالی سے قربت کا واسطہ ماننا ہی شرک ہوتو ہر عبادت شرک ہوجاے گی نماز، زکات، روزہ، حج اور دوسری عبادتیں کس لیے کی جاتی ہیں ؟ اسی لیے نا کہ ان سےاللہ تعالی کاقرب حاصل ہوگا اور جب مخالفین کے نزدیک کسی کو اللہ کی بارگاہ میں وسیلہ یعنی قرب کا ذریعہ ماننا شرک ہے لہذا ہر عبادت شرک ہوگی۔ معاذ اللہ رب العالمین۔

اور خود اللہ تعالی ارشادفرماتا ہے : "یٰایھا الذین اٰمنوا اتقوا اللہ و ابتغوا الیہ الوسیلۃ و جاھدوا فی سبیلہ لعلکم تفلحوْنَ". اے ایمان والو اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ ڈھونڈو اور اس کی راہ میں جہاد کرو اس امید پرکہ فلاح پاؤ۔وسیلہ یعنی قرب کا ذریعہ تلاش کرنے کاحکم خود اللہ تعالی کاہے اور وہی ہمارے مخالف کے نزدیک شرک ہےلہذا خود اللہ تعالی شرک کاحکم دے رہا ہے۔معاذ اللہ رب العالمین

صحیح بخاری میں حضرت انس رضی اللہ تعالی عنہ سے روایت ہے کہ جب لوگ قحط میں مبتلا ہوجاتے توحضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالی عنہ حضرت عباس بن عبدُالمطلب رضی اللہ تعالی عنہ

کے وسیلے سے بارش کی دعا کرتے اور عرض کرتے ""اللھم انا کنا نتوسل الیک بنبینا فتسقینا وانا نتوسل الیک بعم نبینا فاسقنا"" اے اللہ! ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا وسیلہ پکڑا کرتے تھے تو تو ہم پر بارش برسا دیتا تھا اور اب ہم تیری بارگاہ میں اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاجان کو وسیلہ بناتے ہیں کہ ہم پر بارش برسا تو لوگ سیراب کیے جاتے تھے۔ (بخاری، کتاب الاستسقاء)۔ تو اگر غیر خدا کو قرب کا ذریعہ سمجھنا ہی شرک ہو تو کوئی شرک سے نہیں بچے گا۔ چونکہ اولیاے کرام کو صاحب اختیار مانتے ہوئے ان سے کسی چیز کا مطالبہ کرنا وسیلہ کی ایک قسم ہی ہے اس لیے یہ بحث بھی درمیان آگئی یہی حال مخالفین کے دوسرے اعتراضات کا بھی ہے کہ وہ یا تو ذاتی اور عطائی کا فرق نہ کر کے دھوکہ دیتے ہیں یا پھر جو حکم بتوں سے متعلق ہوتا ہے اسے اولیاے کرام پر چسپاں کرتے ہیں، حالانکہ بت کا وسلیہ شرک ہے کہ اس کو معبود مانا جاتا ہے اور نیک بندوں کا وسیلہ اللہ تعالی کے فرمان پر عمل ہے یوں ہی ذاتی طور پر کسی میں کسی قسم کا ذرہ برابر اختیار و تصرف ماننا بھی منافی اسلام ہے،اور اللہ تعالی کے عطا سے با تصرف باکمال ہر انسان ہے اور جسے اللہ تعالی کا جتنا قرب حاصل ہے وہ اسی قدر باتصرف ہے با کمال ہے جس کا واضح بیان آغاز کلام میں مذکور حدیث قدسی میں ہے۔

والصلاۃ والسلام علی سید الانبیاء والاولیاء وآلہ وصحبہ واحباءہ اجمعین

جو شخص اپنی قسمت کے حصہ پر قناعت کرتا ہے وہ ہ مستغنی رہتا ہے اور جو دوسرے کے مال کی طرف نظر اٹھاتا ہے وہ فقیر مرتا ہے۔

تصوف (شریعت کی روشنی میں)

از قلم:- مولانا محمد احمد فیاض قادری رضوی، پاکستان

نحمدہ و نصلی و نسلم علی رسولہ الکریم

تصوف کی مکمل اور جامع و مانع تعریف ممکن نہیں ۔ ہر صوفی کے نزدیک تصوف کا مفہوم وہ ہے جس پر اس نے اپنی ذاتی کوشش سے عمل پیرا ہونے کی کوشش کی اور نتائج اور فوائد اس کو حاصل ہوئے اگر ان مختلف تعریفوں کو جمع کیا جائے جو دنیا کے مختلف صوفیاء نے پیش کی ہیں تو شاید ایک ضخیم کتاب تیار ہو جائے، ایسے حالات میں یہی بہتر معلوم ہوتا ہے کہ چند مختصر الفاظ میں اس کا مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی جائے۔ تصوف عملی طورپر وہ طریقہ حیات ہے جس کا مقصود ذاتِ خداوندی کی خوشنودی حاصل کرنا ہے۔

ابتدائی اسلام جس کو صدر اسلام سے تعبیر کیا جاتا ہے، اسلامیات، اخلاقیات ، سیاسیات ایک دوسرے سے جداگانہ حیثیت کے حامل نہیں تھے اسلام کا سیاسی نظام اخلاقی نظام کے دائرے میں تھا اور اخلاقی نظام اس کے معاشرتی اور سماجی نظام کے جزائے ترکیبی تھے گویا اسلامی شریعت اور اسلامی ریاست کوئی الگ الگ چیزیں نہیں تھیں ناممکن تھا کہ اس کا سیاسی ثقافتی اور سماجی نظام کسی رخ سے بھی شریعت کے دائرے سے باہر ہو سکے ہر ایک نظام زندگی پر شریعت کی پوری پوری گرفت تھی اور یہ تمام مختلف نظامہائے زندگی شریعت کے مطابق ہوتی جنگ و صلح،طاعت وعبادت اور کسب معیشت کے دائروں کا مرکزی نقطہ اسلام اور صرف اسلام تھا۔ وعباد الرحمٰن الذین یمشون علی الارض ھونا و اذا خاطبھم الجٰھلون قالوا سلٰما(الفرقان آیت نمبر۶۳)ترجمہ: کنزالایمان: اور رحمٰن کے وہ بندے کہ زمین پرآہستہ چلتے ہیں اور جب جاہل ان سے بات کرتے ہیں تو کہتے ہیں بس سلام۔

جو صوفیا کی آواز سنے اور ان کی دعا پر آمین نہ کہے وہ اللہ کے نزدیک غافلوں میں شمار ہوگا۔

اہل علم حضرات نے اسم تصوف کی تحقیق میں بہت کچھ لکھا اہل علم کی ایک جماعت کہتی ہے کہ صوفی کو صوفی اس لیے کہا جاتا ہے کہ وہ صوف (پشمینہ) کے کپڑے پہنتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ وہ اوّل صف میں ہوتے ہیں اور ایک جماعت کہتی ہے کہ یہ اصحاب صفہ کی نیابت کرتے ہیں گویا صوفی میں لطیف و پاکیزہ چیزوں کے نام سے اسکی صفائی مراد ہے۔چونکہ صوفیاء کرام اپنے اخلاق و معاملات کو مہذب و پاکیزہ

بنا کر طبعی آفتوں سے نفرت کرتے ہیں اسی کی بنا پر انھیں صوفی کہا جاتا ہے۔تصوف جیسا کہ اصل میں صوفی سے مشتق ایک اسم ہے جو نویں صدی عیسوی (قریباً 286 ہجری) سے مروج ہونا شروع ہوا۔لفظ صوفی کے بارے میں محققین مختلف نظریات رکھتے ہیں جو نیچے درج کیے جا رہے ہیں۔موجودہ زمانے میں حق تعالیٰ نے صوفیاء اور تصوف رکھنے والی مقدس ہستیوں کو اکثر پردے میں رکھا ہے۔ اور تصوف کے لطائف کو ان کے دلوں میں پوشیدہ رکھا ہے تاکہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ لوگ ظاہری اصلاح کے لیے ریاضتیں کرتے ہیں اور باطنی مشاہدات سے خالی ہیں اور کوئی یہ نہ سمجھے کہ اصل وحقیقت کے بغیر یہ ایک رسم ہے۔ ان الصفا صفتہ الصدیق اِن اِن اردتَ صوفیا علی التحقیق۔ (کشف المحجوب)۔ حق و صداقت کی راہ میں اگرتم صوفی بننا چاہوتو جان لوکہ صوفی ہونا حضرت سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ کی صفت ہے۔ صفائے باطن کے لیے کچھ اصول وفروع ہیں۔ ایک اصل تو یہ ہے کہ دل کوغیر سے خالی کرے اور فرع یہ ہے کہ مکر و فریب سے بھرپور دنیا سے دل کو خالی کر دے۔ اور یہ دونوں صفتیں سیدنا ابوبکرصدیق رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ کی ہیں۔ اس لیے آپ طریقت کے رہنماؤں کے امام ہیں۔ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ کی دوسری شان یہ ہے کہ آپ کا قلب مبارک دنیائے غدارسے خالی تھا اس کی کیفیت یہ تھی کہ آپ کے پاس جتنا مال و منال اور غلام وغیرہ تھے سب راہِ خدا میں دیکر بارگاہِ رسالت میں حاضر ہو گئے۔اس وقت حضورﷺ نے دریافت فرمایا: اے صدیق! تم نے اپنے گھر والوں کیلئے کیا چھوڑا۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ۔

جب بندہ کا دل دنیاوی صفات سے آزاد ہوجاتا ہےتو اللہ تبارک وتعالیٰ دنیاوی مال و دولت سےاسے پاک وصاف کردیتاہے۔یہ تمام صفتیں صوفی صادق کی ہیں۔ان کاانکار درحقیقت حق کا انکارہے۔ حضرت ذولنون مصری رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ فرماتےہیں کہ صوفی وہ ہے جب بات کرے تو اس کا بیان اپنے حال کے حقائق کے اظہار میں ہو۔ مطلب یہ کہ وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتا جو خود اس میں موجود نہ ہو۔ حضرت جنید بغدادی رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں تصوف ایسی خوبی ہےجس میں بندے کو قائم کیا گیا ہے۔کسی نے پوچھا یہ حق کی صفت ہے یا بندے کی۔آپ نے فرمایا اس کی حقیقت حق کی صفت ہے اور اس کی ظاہری رسم و حالت بندے کی صفت ہے۔حضرت ابوالحسن نوری رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ تصوف تمام نفسیاتی لذات سے ہاتھ کھینچنے کا نام ہے۔ حضرت ابو عمر دمشقی رضی اللہ تبارک وتعالیٰ عنہ فرماتےہیں کہ جہان کونقص و عیب کی آنکھ سے دیکھنے کا نہیں بلکہ دنیا سے منہ پھیر لینے کانام تصوف ہے۔حضرت حصری فرماتے ہیں کہ صوفی معدوم ہونے کے بعد ہستی کی تمنا نہیں کرتا اور موجود ہونے کے بعد معدوم ہونے کی خواہش نہیں کرتا(کشف المحجوب)

تصوف کی بنیادی خصلتیں: حضرت سیدنا جنید بغدادی رضی اللہ تبارک و تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ

تصوف کی بنیاد آٹھ خصلتوں پر ہے۔اور یہ آٹھ خصلتیں نبیوں کی اقتدا میں ہیں۔

۱۔ سخاوت (حضرت خلیل علیہ السلام سے)

۲۔ رضا (حضرت اسمٰعیل علیہ السلام سے)

۳۔ صبر (حضرت ایوب علیہ السلام سے)

۴۔اشارہ (حضرت زکریا علیہ السلام سے)

۵۔ غربت (حضرت یحٰیی علیہ السلام سے)

۶۔ گدڑی (حضرت موسیٰ علیہ السلام سے)

۷۔ سیاحت (حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے)

۸۔فقر (سید عالم ﷺ سے ہے کہ جنہیں روئے زمین کے تمام خزانوں کی کنجیاں عنایت فرما دی گئیں تھیں اورارشاد ہوا کہ آپ خود کومشقت میں نہ ڈالیں بلکہ آپ ان خزانوں کو استعمال کریں آرائش اختیار فرمائیں لیکن بارگاہ الٰہی میں آپ نے عرض کیا۔ اے خدا مجھے اس کی حاجت نہیں ہے۔ میری خواہش تو یہ ہے کہ ایک روز شکم سیر ہوں تو دو روز فاقہ کروں)

دعا ہے اللہ کریم میرے اس لکھنے کو قبول فرمائے اور میرے والدین ، اساتذہ اور مشائخ کو اس کا بہترین اجر عظیم عطا فرمائے ۔

آمین ثم آمین یارب العالمین بجاہ النبی الکریم ﷺ

جو شخص دوسرے کی پردہ داری کرتا ہے خدا اس کے گھر کے خفیہ حالات کی پردہ داری کر دیتا ہے۔

مولانا محمد احمد فیاض قادری رضوی

مختصر سوانح خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ

از قلم:- محمد شعیب خان رضوی بریلوی

ہر قرن اور ہر زمانہ میں خالق دو جہاں نے کچھ ایسے نفوس قدسیہ پیدا فرمائے جنھوں نے مردہ قوموں کو جلا بخشی اور سالہا سال کے خوابیدہ لوگوں کو خواب غفلت سے بیدار کیا اور منزل مقصود کا صحیح راستہ بتایا۔ جنھوں نے دین اسلام کی نصرت و حمایت کو اپنا نصب العین بنایا اور ہمیشہ ہمیش دشمنان اسلام کے مقابل صف آرا رہے۔ یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں جنھیں اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے گمراہوں کی ہدایت، سرکشوں کی اصلاح اور حق و باطل کے درمیان امتیاز پیدا کرنے کے لیے مبعوث فرمایا۔ جنھوں نے کلمہ حق کی سر بلندی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کردیا۔ حق گوئی وراست بازی جن کا شعار تھا اور دنیا کی کوئی طاقت انھیں حق گوئی سے باز نہ رکھ سکی۔ انھیں برگزیدہ نفوس قدسیہ میں سے سلطان الہند عطائے رسول خواجہ خواجگاں فخر ہندوستاں حضرت سرکار غریب نواز معین الحق والدین چشتی اجمیری سنجری رضی اللہ عنہ کی ذات گرامی بھی ہے جن کے قدوم میمنت لزوم کی برکت سے شمع اسلام جگمگا اٹھی۔ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کا عرس سراپا قدس عموما پوری دنیا میں اور خصوصا اجمیر معلی کی بابرکت سرزمین پر بڑے تزک و احتشام کے ساتھ منایاجاتاہے۔ ملک و بیرون ملک سے لوگ جوق در جوق آپ کی بارگاہ میں حاضری دینے کے لیے آتے ہیں اور آپ کی مقدس بارگاہ سے فیوض و برکات لے کر جاتے ہیں۔ حضور سرکار غریب نواز کی بارگاہ مستجاب الدعوات بارگاہ ہے کہ وہاں پر ہر جائز دعا قبول ہوتی ہے جیسا کہ امام اہل سنت عطائے خواجہ غریب نواز امام احمد رضا خان فاضل بریلوی قدس سرہ العزیز فرماتے ہیں کہ مزارپاک سیدناخواجہ معین الحق و الدین غریب نواز رضی اللہ عنہ ایسی جگہ ہے جہاں ہر نیک و جائز دعامقبول بارگاہ ہوتی ہے۔حضرت خواجہ غریب نوازرضی اللہ عنہ نےاپنی پوری زندگی اللہ کےرسول ﷺ کی محبت اوردین کی سربلندی کے لیےوقف کردی اوردین اسلام کی خاطرجان مال سب کچھ قربان کر دیا۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی آپ رضی اللہ عنہ عوام و خواص کی عقیدتوں کا مرکز بنے ہوئے ہیں اور ان شاءاللہ عزوجل رہتی دنیا تک بنے رہیں گے اورلوگ آپ سے اکتساب فیض کرتے رہیں گے اللہ عزوجل ہمیں آپ رضی اللہ عنہ سے سچی عقیدت ومحبت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین!
حضرت خواجہ غریب نوازرضی اللہ عنہ کے فضائل کواگر مجھ جیسا حقیر بیان کرنے کی کوشش کرےتو یہ سورج کوچراغ دکھانے کےمترادف ہوگا۔ پھر بھی آپ رضی اللہ عنہ کی بارگاہ سے اکتساب فیض کے واسطے آپ کی حیات طیبہ سےچند گوشے سپرد قرطاس کرنے کی کوشش کرتا ہوں قارئین کرام ملاحظہ فرمائیں۔۔۔

ولادت: آپ رضی اللہ عنہ کی جائے ولادت کے متعلق اقوال مختلف ہیں بعض حضرات کے مطابق آپ مقام سنجر میں پیدا ہوئے اور بعض کا قول ہے کہ آپ کی ولادت با سعادت سنجستان میں ہوئی اور بعض روایات میں آپ کی جائے ولادت سنجار کو بتایا گیا ہے اس کے علاوہ دیگر اقوال بھی ہیں۔ اسی طرح آپ کے سن ولادت میں بھی مختلف روایات ہیں۔ثانی اعلی حضرت حضور فیض ملت علامہ فیض احمد اویسی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آپ رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت 14 رجب المرجب 537ھ بروز پیر علاقۂ سجستان (سیستان) کے قصبہ سنجر میں ہوئی۔ آپ رضی اللہ عنہ کا مبارک نام معین الدین حسن ہے آپ کے والدین آپ کو پیار سے حسن بلایا کرتے تھے۔

آپ رضی اللہ عنہ عالم اسلام میں رحمت بن کر تشریف لائے۔ آپ جب اپنی والدہ ماجدہ کے شکم مبارک میں تھے تو اس وقت آپ کی والدہ ماجدہ بہت اچھے اچھے خواب دیکھا کرتی تھیں۔ گھر میں خوب خیر و برکت کا دور دورہ تھا۔ فکر وپریشانی سے نجات و امن تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ اکثر اپنے شکم مبارک سے تسبیح و تہلیل کی آوازیں سنا کرتیں جسے سن کر آپ پر ایک وجد و سرور کی کیفیت طاری ہو جایا کرتی تھی۔ یہاں تک کہ حضرت غریب نواز رضی اللہ عنہ کی ولادت با سعادت ہوئی اور پورا مکان انوار الہی سے جگمگا اٹھا۔

والدین: آپ رضی اللہ عنہ کے والد کا نام حضرت غیاث الدین حسن رضی اللہ عنہ اور والدہ کا نام ام الورع بی بی ماہ نور تھا۔

نسب: آپ رضی اللہ عنہ کا نسبی تعلق خاندان سادات سے ہے۔ آپ نجیب الطرفین سید ہیں۔ والد بزرگوار کی جانب سے آپ کا سلسلہ نسب کچھ اس طرح رسول اللہ ﷺ تک جا ملتا ہے:- خواجہ معین الدین بن غیاث الدین بن کمال الدین بن احمد حسین بن نجم الدین طاہر بن عبدالعزیز بن ابراہیم بن امام علی رضا بن موسیٰ کاظم بن امام جعفر صادق بن محمد باقر بن امام علی زین العابدین بن سیدنا امام حسین بن علیِ مرتضٰی زوج سیدہ فاطمۃ الزہراء بنت سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ و رضی اللہ عنہم اجمعین۔

والدہ محترمہ کی جانب سے آپ کا شجرۂ نسب کچھ اس طرح ہے: بی بی ام الورع موسوم بہ بی بی ماہ نور بنت سید داود بن سید عبداللہ حنبلی بن سید یحییٰ زاہد بن سید محمد روحی بن سید داود بن سید موسیٰ ثانی بن سید عبداللہ ثانی بن سید موسیٰ اخوند بن سید عبداللہ بن سید حسن مثنیٰ بن سیدنا امام حسن بن سیدنا علیِ مرتضیٰ زوج سیدہ فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہم اجمعین بنت محمد رسول اللہ ﷺ۔ گویا کہ آپ حسنی حسینی سید ہیں۔

غریب نوازی: آپ رضی اللہ عنہ کی غریب نوازی و سخاوت محتاج تعارف نہیں، آپ بچپن ہی سے

دوسروں کے کام آنے والے،ان کا دکھ بانٹنے والے، مسکینوں، غریبوں، فقیروں کے ساتھ بھلائی کرنے والے، ان کی دل جوئی کرنے والے تھے۔ بچپن میں جب آپ رضی اللہ عنہ دودھ پینے کی عمر میں تھےایک روز آپ اپنی والدہ محترمہ کی گود میں دودھ نوش فرما رہے تھے، اتنے میں ایک غریب عورت آئی، اس کی گود میں ایک ننھا سا بچہ تھا جو بھوک کے سبب زار و قطار رو رہا تھا، بچہ کو روتا دیکھ خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ کی والدہ ماجدہ نے عورت سے کہا: تمہارا بچہ بھوکا ہے اسے دودھ کیوں نہیں پلاتی؟ یہ سن کر دکھیاری ماں کی آنکھوں میں آنسو آگئے،دردبھری آہ سے بولی: اے سیدہ ! کئی دن سےایک لقمہ بھی حلق سے نیچے نہیں اترا، اس لیےبچہ دودھ سے محروم ہے۔ اتناسننا تھاکہ حضرت خواجہ غریب نوازرضی اللہ عنہ نے اپنی چھوٹی چھوٹی انگلیوں سے اشارہ کیا،گویا کہ والدہ ماجدہ کی خدمت میں عرض کررہے تھے کہ آپ بچے کو دودھ پلا دیجیے۔ چنانچہ آپ رضی اللہ عنہ کی درخواست پرآپ کی والدہ محترمہ نےاس بچہ کو گود میں لیا اور دودھ پلایا۔ آپ رضی اللہ عنہ بچے کو دیکھ کر خوب مسکرائے اورخوشی کا اظہار فرمایا۔ روایات میں آیا ہے کہ آپ بچپن میں اپنے ہم عمر بچوں کو گھربلا کر انہیں کھانا کھلایا کرتے تھے۔ آپ کے عہد طفلی ہی کا واقعہ ہے کہ ایک مرتبہ عید کے دن صبح کے وقت لوگ نئے کپڑے پہنے خوشی خوشی عیدگاہ کی طرف بڑھ رہے تھے،حضرت غریب نوازنے بھی نیا اورقیمتی لباس پہنا اورعیدگاہ کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں ایک درد ناک منظر دیکھا۔ راستے کے کنارے پر ایک بچہ کھڑا ہے آنکھوں سے نابینا، کپڑے پرانے، غربت زدہ حال اور چہرےپر اداسی وغم دیکھ کرآپ کا دل بھر آیا۔ آپ نے بچے کا ہاتھ پکڑا اور اسے گھر لے آئے، اپنا قیمتی لباس اتار کر غریب بچے کو پہنایا، خود پرانے کپڑے پہنے اور اس غریب بچے کو لے کر عید گاہ کی طرف چلے گیے۔

تعلیم: آپ رضی اللہ عنہ کی عمر شریف جب ۱۵سال کی ہوئی تو آپ کے والد گرامی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔ والدکے انتقال کے بعدحضرت خواجہ غریب نواز نے وراثت میں ملے باغ کی رکھوالی شروع کر دی۔ ایک دن ایک بزرگ ابراہیم قندوزی نامی تشریف لائے،حضرت خواجہ نے انگور کے خوشے پیش کیے، بزرگ نے انگور نہ کھائے اور کھلی کے ایک ٹکڑے کو دانتوں سےچبا کر خواجہ غریب نواز کے منہ میں ڈال دیا۔ کھلی کا کھانا تھاکہ آپ کا دل انوار الٰہی سےروشن ہو گیا اور راہ حق میں نکل پڑے۔سمرقند میں کلام اللہ حفظ کیا اور ابتدائی کتابیں پڑھنا شروع کیں مگر کچھ عرصہ کے بعد آپ نے بخارا کا رخ کیا۔ بخارا میں مولانا شیخ حسام الدین بخاری کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے تلامذہ میں شریک ہو گیے اور چند سالوں میں قرآن، تفسیر، فقہ اور علوم معقول و منقول کی تکمیل کی۔ تکمیل تعلیم پر آپ کے استاذ گرامی نے آپ کودستار فضیلت عطا فرمائی۔کہا جاتاہے کہ تحصیل علم کے لیے آپ بخارا میں پانچ سال

تک رہے۔

حضرت خواجہ مرشد کی بارگاہ میں: ظاہری علوم حاصل کر لینے کے بعد آپ کے دل میں اللہ عزوجل کی محبت کا جذبہ اٹھا مگر اللہ عزوجل کی معرفت پانے کے لیے مرشد کامل کی بیعت کرنا ضروری تھا اس سوچ کے تحت آپ بخارا ہی سے مرشد کی تلاش میں نکل پڑے ان دنوں نیشا پور کے قریب ایک قصبہ ہارون یا ہرون تھا، جہاں حضرت خواجہ عثمان ہارونی (ہرونی) رضی اللہ عنہ رونق افروز تھے اور ان کی بزرگی کا چرچہ دور درازتک تھا۔حضرت خواجہ غریب نوازنے جب ان کے روحانی کمالات کی شہرت سنی تو آپ ان کی بارگاہ میں حاضر ہوئے۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی حقیقتا ایک عظیم المرتبت بزرگ تھے،آپ کا تعلق سلسلہ چشتیہ سے تھا اور آپ کوسلسلہ چشتیہ میں ایک خاص مقام حاصل ہے۔حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے جب پہلی مرتبہ حضرت غریب نواز کودیکھا تونور باطن سے معلوم ہوگیا کہ اس نوجوان کی قسمت میں ولایت ہے اور یہ جوان آسمان ولایت پر آفتاب بن کر چمکے گا۔ چنانچہ انہوں نے حضرت غریب نواز کو اپنے حلقہ ارادت میں شامل کرنے کا ارادہ کرلیا۔ حضرت خواجہ عثمان ہارونی بعض اوقات بغداد شریف جایاکرتے تھے اور بغداد شریف میں انہوں نے حضرت غریب نواز کو اپنامرید بنایا (کما ذکر فی "انیس الارواح") مرشد کامل نے اپنے سلسلہ میں داخل فرمانے کے بعد چہرہ مبارک آسمان کی طرف اٹھایا اور مرید صادق کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا "ترا بخدا رسانیدم و مقبول حضرت اوست گردانیدم" (میں نے تجھے خدائے بزرگ و برتر تک پہنچا دیا اور حق تعالی کا مقبول بنا دیا)۔

سلسلہ طریقت: آپ کا سلسلہ طریقت ۱۴ واسطوں سے حضرت علی اور ۱۵ واسطوں سے رسول اکرم ﷺ سے جا ملتا ہے۔ (سید عالم جناب محمد رسول اللہ ﷺ، حضرت مولائے کائنات مولا علی کرم اللہ وجہہ الکریم، خواجہ حسن بصری، خواجہ عبدالواحد بن زید، خواجہ فضیل ابن عیاض، خواجہ ابراہیم بن ادہم البلخی، خواجہ حذیفہ مرعشی، خواجہ ابو ہبیرہ بصری، خواجہ ممشاد علوی، خواجہ ابو اسحاق شامی، خواجہ ابو احمد ابدال، خواجہ ابو محمد چشتی،خواجہ ابو یوسف چشتی، خواجہ قطب الدین مودود چشتی، خواجہ شریف زندانی، خواجہ عثمان ہارونی،خواجہ معین الدین چشتی اجمیری رضی اللہ عنہم اجمعین)

زیارت حرمین شریفین: حضرت سلطان الہند خواجہ بزرگ اپنے مرشد کی بارگاہ میں کم و بیش بیس سال رہے، مرشد کامل نے گوہر شب تاب کی تراش و خراش میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا روحانیت کی اعلی قدروں سے روشناس کرایا۔خوداپنے ہمراہ اکناف عالم کے اولیاءاللہ اور شناوران راہ طریقت سے ملاقاتیں کرائیں،تا آنکہ رحمۃ للعالمین جناب محمد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ رحمت میں لے کر حاضرہوئے۔ دربار رسول ﷺ میں مرشد کامل نے مرید فاضل کو پیش کیا توسید المرسلین خاتم المعصومین ﷺ کے مرقد مبارک

سے آواز آئی "معین الدین مجھے پیارا ہے اور میں نے اسے قبول کیا اور اپنا بنایا"۔

روایات میں آیا ہے کہ آپ اپنے مرشد کامل کے ہمراہ حج بیت اللہ کی سعادت حاصل کرنے کے بعد حضور اقدس ﷺ کی بارگاہ عالیہ میں حاضر ہوئے تو حضرت خواجہ عثمان ہارونی نے مواجہہ شریف کے سامنے کرکے آپ کو حکم دیا کہ معین الدین! بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں سلام عرض کرو۔ آپ نے بارگاہ اقدس میں نہایت ادب و احترام کے ساتھ عرض کیا: "الصلوٰۃ و السلام علیک یا سید المرسلین و خاتم النبیین"۔ تربت اقدس سے جواب آیا: "وعلیک السلام یا قطب المشائخ"۔ یہ صرف سلام کا جواب نہ تھا بلکہ اس سارے زمانے کی عظمتیں برکتیں خواجہ غریب نواز کی جھولی میں ڈال دی گئیں۔ سلام کا جواب سنتے ہی مرشد کامل نے درود شریف پڑھنے کی ہدایت کی آپ درود شریف پڑھتے رہے۔

سرکار اقدس ﷺ کا دیدار اور ہندوستان تشریف آوری: اسی شب نماز عشاء کے بعد نیند کا غلبہ ہوا اور آنکھ لگ گئی۔ خواب میں آقائے کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: معین الدین! ہم نے تمہیں بحکم الٰہی آج سے سلطان الہند مقرر فرمادیا ہے، اپنے مرشد سے اجازت لو اور ہندوستان جا کر ہمارے دین کا خوب چرچہ کرو۔ آپ نے یہ خواب اپنے مرشد کامل کو عرض کیا تو انہوں نے وہیں بیٹھے آنکھیں بند کراکے پورے ہندوستان کی سیر کرائی، بارگاہ خداوندی سے قبولیت کی سند اور رسول کریم ﷺ کی طرف سے سلطان الہند کا تقرر نامہ عطا ہوا۔ ایک روایت میں ہے کہ اپنے مرشد سے خرقہ خلافت حاصل کرنے کے بعد اپنے شیخ سے اجازت لے کر حرمین شریفین کی زیارت کے لیے تشریف لے گئے اور مدینہ طیبہ میں زیارت سید کونین ﷺ سے مشرف ہوئے۔ آپ ﷺ نے حضرت خواجہ سے فرمایا: "اے قطب المشائخ! تم معین الدین ہو! اس جہاں کی ظلمت کفر کو نور اسلام سے روشن کرو!"۔ ممکن ہے کہ ایک بار اپنے پیر و مرشد کے ہمراہ روضۂ اقدس کی زیارت ہوئی ہو اور دوسری بار ان سے اجازت لیکر گئے ہوں۔ سید عرب و عجم ﷺ کے حکم کے بعد ہندوستان آتے ہوئے آپ نے حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رضی اللہ عنہ کے مزار پر انوار پر حاضر ہوکر چلہ کشی فرمائی اور یہ مشہور زمانہ شعر کہا:

گنج بخش فیض عالم مظہر نور خدا
ناقصاں را پیر کامل کاملاں را رہنما

چلہ کشی سے فراغت کے بعد لاہور سے دہلی اور وہاں سے اجمیر شریف تشریف لائے۔ جہاں جہاں سے گزرے لاکھوں کفار و مشرکین کو دامن اسلام سے وابستہ کرکے پیارے آقا ﷺ کی غلامی سے سرفراز فرماتے گئے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ تبلیغ اسلام کا نصب العین لے کر ہندوستان تشریف لائے تھے، اپنے اس نصب العین کی خاطر آپ نے مضبوط کردار اور جد وجہد کی جو مثال پیش کی اگر وہ آب زر سے لکھی جائے پھر بھی حق ادا نہ ہوگا۔آپ کو طرح طرح کی مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، آپ کے راستے میں بے شمار رکاوٹیں تھیں،کئی طاقتور مخالفوں کا سامنا کیا۔ والی اجمیر پرتھوی راج بھی آپ کا مخالف تھا۔ آپ نے ہر مشکل کا مقابلہ کیا اور کوئی مشکل،کوئی مخالفت آپ کے سامنے ٹھہر نہ سکی۔ آپ کا ناقابل شکست جذبہ، بلند تصور، پاکیزہ دل،آہنی عزم، دقیق نظر اور اعلی روحانی قوت ہر مشکل پر غالب آتی گئی۔ یہ حضرت خواجہ غریب نواز جیسی شخصیات کا ہی کمال ہے جو ان مشکلات کے مقابلے ثابت قدم رہ سکیں۔ ما و شما کی کیا حقیقت بڑے بڑے سورما ایسی جگہوں پر ہمت ہار جاتے ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی خدمت دین کا ہر خاص و عام معترف ہے، آپ نے کفرستان میں ایمان کے دیپ جلائے،آپ نے نوے لاکھ سے زائد لوگوں کو کلمہ پڑھا کر دین اسلام میں داخل کیا۔ بر صغیر کی اکثر آبادی انہیں مسلمانوں کی نسل سے ہے جن کو خواجہ غریب نواز نے کلمہ پڑھا کر دین اسلام میں داخل کیا تھا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ حضرت خواجہ غریب نواز رضی اللہ عنہ نہایت بلند مرتبہ روحانی شخصیت ہیں، آپ کی ذات بابرکات کی شہرت نہ صرف ہندوستان بلکہ دنیا بھر میں ہے،ہر رنگ و نسل، مذہب اور ملک کے لوگوں میں آپ کے نام لیواؤں کی تعداد ہزاروں لاکھوں میں موجود ہے۔

وصال باکمال اور تکفین و تدفین: مصدقہ روایات کے مطابق آپ کا وصال باکمال ۶رجب المرجب ۶۲۷ ہجری میں ہوا،چنانچہ آپ کے وصال کاواقعہ یوں ہے کہ جس رات آپ کاوصال ہونے والا تھا اس رات عشاء کی نماز جماعت سے ادا کرنے کے بعد آپ اپنے حجرے میں تشریف لے گئے حسب معمول حجرے کے باہر چند درویش بیٹھے ہوئے تھے۔آپ رضی اللہ عنہ کو معلوم ہو چکا تھا کہ اب دنیا سے جانے کا وقت بالکل قریب ہے۔ آپ اللہ عزوجل کے ذکر میں کچھ اس قدر مشغول ہوئے کہ آپ کے دل میں وصل مولا کی محبت انتہا تک پہنچ گئی حتی کہ آپ اللہ عزوجل کی محبت اور جدائی میں تڑپنے لگے، اللہ عزوجل کے نور کی تجلیات آپ روح پر نازل ہو رہی تھیں۔ آخر محبت اتنی شدید غالب آئی کہ اللہ عزوجل کی محبت میں کھو گئے اور ملک الموت نے اپنا کام انجام دے دیا یعنی آپ رضی اللہ عنہ کا وصال ہو گیا۔ آپ کا وصال آپ کے مریدین، خلفاء، عقیدت مندوں اور اجمیر کے رہنے والوں کے لیے انتہائی دل سوز سانحہ تھا۔ آپ کے انتقال کی خبر بہت جلد اجمیراور اس کے گرد ونواح میں پھیل گئی۔ اشک بار ہوکر لوگ جوق در جوق آئے۔ آخرکار آپ کے جسم مبارک کو غسل دے کرکفن پہنایا گیا اور اس کے بعد نماز جنازہ ادا کی گئی۔آپ کی نماز جنازہ میں بے پناہ لوگوں کا ہجوم تھا۔ نمازجنازہ آپ کے بڑے صاحبزادے

حضرت فخرالدین نے پڑھائی اور آپ کو آپ کے حجرے ہی میں دفن کیا گیا کہ جہاں آپ کا وصال ہوا تھا۔ آپ کا مزار مقدس صدیوں سے اجمیر شریف میں مرجع خلائق ہے۔

آپ رضی اللہ عنہ کی حیات مبارکہ کا کوئی بھی گوشہ اتباع شریعت سے خالی نہ تھا۔ آپ ہمہ وقت اللہ عزوجل کی رضا کے لئے کوشاں رہتے، مخلوق خدا پر مہربانی اور غریب نوازی ہی کا سبب ہے کہ آپ کو دنیا غریب نواز کے لقب سے جانتی ہے۔حضرت علامہ حسن رضا خاں بریلوی قدس سرہ العزیز آپ کی شان میں یوں رقمطراز ہیں:

خواجہ ہند وہ دربار ہے اعلی تیرا
کبھی محروم نہیں مانگنے والا تیرا
ہے تری ذات عجب بحر حقیقت پیارے
کسی تیراک نے پایا نہ کنارہ تیرا
گلشن ہند ہے شاداب کلیجے ٹھنڈے
واہ اے ابر کرم زور برسنا تیرا
محی دیں غوث ہیں اور خواجہ معین الدیں ہیں
اے حسن کیوں نہ ہو مضبوط عقیدہ تیرا۔

اللہ عزوجل کی بارگاہ میں دعا ہے کہ خدائے وحدہ لا شریک ہمیں سیدنا غریب نواز رضی اللہ عنہ کی سچی عقیدت و محبت عطا فرمائے اور تا دم حیات آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے کہ،

ترے غلاموں کا نقش قدم ہے راہ خدا
وہ کیا بہک سکے جو یہ سراغ لے کے چلے۔

آمین یا رب العالمین
بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وآلہ و اصحابہ اجمعین۔

(مآخذ و مراجع: سیرت خواجہ غریب نواز، ہمارے خواجہ،سوانح و ارشادات خواجہ غریب نواز، حیات سلطان الہند، تذکرۂ سلطان الہند، انیس الارواح، دلیل العارفین، سوانح خواجہ غریب نواز)

امام جعفر صادق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

از قلم:- محمد مجتبیٰ رضا نشر غزالی

ملتِ نبوی کے سلطان، دینِ مصطفیٰ ﷺ کے پاسبان، علومِ نبویہ کے مظہر و وارثِ کامل، اہلِ حق کے امام، اہلِ ذوق کے پیشرو، صاحبانِ عشق ومحبت کے پیشوا، عابدوں کے مقدّم، زاہدوں کے مکرم، خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ ابو عبداللہ حضورسیدی وسندی سرکار حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی ولادت باسعادت باختلاف روایت ۱۷ ربیع الاول شریف سن ۸۰ یا ۸۳ ہجری بمطابق اپریل ۷۰۲ء میں مدینہ منورہ میں ہوئی اورآپ کا وصال ۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ھ بمطابق ۳ دسمبر ۷۶۵ء مدینہ منورہ میں ہوا۔

آپ کا نام (امام) جعفر (رضی اللہ عنہ)، کنیت ابو عبد اللہ اور ابو اسماعیل اور القاب صادق، فاضل، طاہرہے۔ نیز آپ کو تابعی ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، آپ نے حضرت انس بن مالک اورحضرت سہل بن سعد (رضی اللہ عنہما) اور چند صحابہ کرام سے ملاقات کی۔ آپ حضرت امام محمد باقر رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت امام زین العابدین رضی اللہ عنہ کے پوتے اورسید الشہداء نواسۂ رسول امام حسین رضی اللہ عنہ کے پڑپوتے ہیں۔آپ کی والدہ ام فرویٰ رضی اللہ عنہا حضرت محمد بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کی پوتی تھیں جن کے والد قاسم بن محمدبن ابوبکر رضی اللہ عنہم مدینہ منورہ کے سات فقہا میں سے تھے۔ والد ماجد کی طرف سے آپ سلسلۂ نسب کچھ اس طرح ہے: امام جعفرصادق بن امام محمد باقر بن امام زین العابدین بن امام عالی مقام سیدنا حسین بن سیدنامولا علی رضی اللہ عنہم۔والدہ ماجدہ کی جانب سے: امام جعفرصادق بن سیدہ ام فرویٰ بنت سیدنا قاسم بن سیدنا محمد بن حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہم۔ آپ رضی اللہ عنہ کی والدہ حضرت سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ایک صاحبزادے حضرت عبد الرحمن رضی اللہ عنہ کی نواسی اور دوسرے صاحبزادے حضرت سیدنا محمد رضی اللہ عنہ کی پوتی تھیں۔اس طرح آپ کی والدہ محترمہ سیدہ ام فرویٰ رضی اللہ عنہا سیدنا ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پڑپوتی بھی تھیں اور پڑنواسی بھی۔ اس لیے آپ فرمایا کرتے تھے "ولدنی ابوبکر مرتین" کہ مجھے ابو بکر رضی اللہ عنہ سے دوہری ولادت ہونے کا شرف حاصل ہے۔

تعلیم و تربیت: آپ نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق مدینہ منورہ کے مشکبار علمی فضا میں رہ کر اپنے والدِ گرامی حضرت سیّدنا امام باقر، حضرت سیّدنا عبید اللہ بن ابی رافع، نواسۂ صدیقِ اکبر حضرت سیّدنا عُروہ بن زُبَیر، حضرت سیّدنا عطاء اور حضرت سیّدنا نافع رضی اللہ عنہم کے چشمہ علم سے سیراب ہوئے۔

فضل و کمال: آپ اس خانوادہ علم و عمل کے چشم و چراغ تھے جس کے ادنی سے ادنی خدام مسند علم کے وارث ہوئے۔ آپ کے والد گرامی امام باقر رضی اللہ عنہ اس پایہ کے عالم تھے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ جیسے اکابرِ امت ان کے شاگرد تھے، حضرت جعفر صادق کو علم گویا وراثۃ ملا تھا، فضل و کمال کے لحاظ سے آپ اپنے وقت کے امام تھے، حافظ امام ذہبی آپ کوامام اوراحدالسادۃ الاعلام لکھتے ہیں، اہلبیت کرام میں علم میں کوئی آپ کاہمسر نہ تھا، ابن حبان کابیان ہے کہ فقہ علم اور تفضل میں ساداتِ اہل بیت میں تھے۔ امام نووی لکھتے ہیں کہ آپ کی امامت ،جلالت اورسیادت پر سب کا اتفاق ہے۔

اخلاق و صفات: اللہ تبارک و تعالی قرآن پاک میں حضور ﷺ کی تعریف وتوصیف بیان کرتےہوئے فرماتا ہے : وَ اِنک لَعَلی خُلُقٍ عَظِیۡمٍ "(کنز الایمان) اور بیشک تمہاری خوبو بڑی شان کی ہے۔ حضرت امام ابن حجر عسقلانی نے ایک حدیث روایت کی سُئِلَتْ عائشۃُ عن خُلقِ رسولِ اللہِ ﷺ فقالت: کان خُلُقُہُ القرآنَ. عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ ﷺ کی سیرت کے بارے میں سوال کیا گیا تو انہوں نے کہا: حضور ﷺ کا کردار قرآن تھا۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام ﷺ کے اخلاق حسنہ اور صفات حمیدہ کا ترجمان مکمل قرآن پاک ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سنت نبوی ﷺ کے جامع اور تعلیمات قرآن کے متبع اور اس کا عکسی نمونہ تھے۔ آپ کے اخلاق و صفات نہایت ہی اعلی اور بلند تھا ، ہر چیز میں سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر بڑی سختی سے عمل پیرا ہوتے،صبر و تحمل،عفت وپاک دامنی، عفو و درگذر ، تواضع و انکساری اور جود و سخا جیسے عمدہ اوصاف آپ میں بدرجہ اتم موجود تھے۔ آپ کے اخلاق و اوصاف کی کچھ جھلکیاں درج ذیل ہیں ۔ ملاحظہ فرمائیں:

امام مالک (رضی اللہ عنہ) فرماتے ہیں کہ آپ (امام جعفر صادق) رضی اللہ عنہ کو 3 تین کاموں سے بڑا شغف تھا (۱) نماز (۲) قرآن کی تلاوت (۳) روزہ۔ فرماتے ہیں جب بھی میں نے حضرت امام جعفر صادق (رضی اللہ عنہ) سے ملاقات کی تو انھیں میں سے کسی ایک میں مصروف پایا۔

خشیت الہی: آپ رضی اللہ عنہ ایک عابد وزاہد، مقبول بارگاہ خداوند اور نیک سیرت انسان تھے، مزید یہ کہ آپ خاندان رسول ﷺ سے تھے۔ پھر بھی ہمہ وقت آپ کے قلب مبارک میں خشیت الہی اور خوف آخرت کا شعلہ مشتعل رہتا تھا ایک مرتبہ حضرت داؤد طائی نے امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: اے فرزند رسول! مجھے کوئی نصیحت فرمائیں؟ کیون کہ میرا دل سیاہ ہو گیا ہے ۔ فرمایا : یا ابا سلیمان ؛ آپ زاہدِزمانہ ہیں، آپ کو میری نصیحت کی کیا ضرورت ہے ؟! داؤد نے عرض کیا: اے فرزندرسول! آپ کوسب پر فضیلت حاصل ہے، اس لیےآپ پر واجب ہے کہ آپ سب کو نصیحت کریں۔ فرمایا: یا اباسلیمان! مجھےاندیشہ ہے کہ کہیں قیامت کےروز میرے جد بزرگوار میرا دامن

نہ پکڑیں اور یوں فرما دیں کہ میرا حق متابعت کیوں ادانہ کیا؟ کیونکہ یہ کام نسب کی شرافت پر موقوف نہیں ہے، بلکہ بارگاہ رب العزت میں عمل کی پسندیدگی معتبر ہے ۔ یہ سن کر داود بہت روئے ۔ اور بارگاہ الٰہی میں عرض کی: کہ اے پروردگار! جس شخص کی سرشت نبوت کے آب و گل سے ہے، اور جس کی طبیعت کی ترکیب آثارِ رسالت ﷺ سے ہوئی ہے، اور جس کے جدِ بزرگوار رسول کریم ﷺ ہیں،اور ماں حضرت فاطمہ بتول ہیں۔ جب وہ ایسی حیرانی میں ہے تو داؤد کس شمار میں ہے ۔

آپ کا قاعدہ تھا کہ آپ مالداروں سے زیادہ غریبوں کی عزت کرتے۔ مزدوروں کی بڑی قدرفرماتے تھے۔خود بھی تجارت فرماتے اور اکثر اپنے باغوں میں بہ نفس نفیس محنت بھی کرتے تھے۔ ایک مرتبہ آپ بیلچہ ہاتھ میں لیے باغ میں کام کر رہے تھے اور پسینہ سے تمام جسم ترہوگیا۔کسی نے کہا ››یہ بیلچہ مجھے عنایت فرمایئے کہ میں یہ خدمت انجام دوں۔ آپ نے فرمایا طلبِ معاش میں دھوپ اور گرمی کی تکلیف سہنا عیب کی بات نہیں۔ غلاموں اورکنیزوں پر وہی مہربانی فرماتے رہتے تھے جو اس گھرانے کی امتیازی صفت تھی۔ اس کا ایک حیرت انگیز نمونہ یہ ہے جسے حضرت سفیان ثوری نے بیان کیا ہے کہ میں ایک مرتبہ امام جعفرصادق کی خدمت میں حاضرہوا۔دیکھا کہ چہرہ مبارک کارنگ متغیر ہے۔ میں نے سبب دریافت کی۔ فرمایا میں نے منع کیا تھا کہ کوئی مکان کے کوٹھے پر نہ چڑھے۔ اس وقت جو گھر میں گیا تو دیکھا کہ ایک کنیز جو ایک بچہ کی پرورش پر معیّن تھی اسے گود میں لیے زینہ سے اوپر جا رہی تھی۔ مجھے دیکھا تو ایسا خوف طاری ہوا کہ بدحواسی میں بچہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ گیا اورصدمے سے جان بحق ہوا۔ مجھے بچے کے مرنے کااتنا صدمہ نہیں ہوا جتنا اس کا رنج ہے کہ اس کنیز پر اتنا رعب و ہراس کیوں طاری ہوا۔ پھر آپ نے اس کنیز کو پکار کر فرمایا۔››ڈرو نہیں، میں نے تمھیں راہ خدا میں آزاد کر دیا۔ اس کے بعد آپ بچے کی تجہیز وتکفین کی طرف متوجہ ہوئے۔

حاصل کلام یہ کہ آپ کی ذات فضائل و اخلاق کا زندہ پیکر تھی، آپ کا ایک نظر دیکھ لینا آپ کی خاندانی عظمت کی شہادت کے لیے کافی تھا،عمروبن المقدام کابیان ہےکہ جب میں جعفربن محمد کو دیکھتا تھا تو نظر پڑتے ہی معلوم ہوجاتا تھا کہ وہ نبیوں کے خاندان سے ہیں۔

تعلیمی لیاقت: کتاب کی تصنیف سے زیادہ مشکل افراد کی علمی، اَخلاقی اور شخصی تعمیر ہے اور اُستاد کا اِس میں سب سے زیادہ بُنیادی کِردارہوتا ہے۔حضرت سیّدنا امام جعفر صادِق رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کی صحبت میں رہ کر کئی تلامِذہ اُمّت کے لئے مَنارۂ نور بنے۔آپ رَحْمَۃُ اللّٰہِ تَعَالٰی عَلَیْہ کے عِلمی فیضان سے فیض یاب ہونے والوں میں آپ کےفرزندامام موسیٰ کاظم، امامِ اعظم ابوحنیفہ، امام مالک،حضرت سفیان ثَوری،حضرت سفیان بن عیینہ رضی اللہ عنہم کے نام سرِفہرِست ہیں۔

تمام عالم اسلامی میں آپ کی علمی جلالت کا شہرہ تھا۔ دور دور سے لوگ تحصیل علم کے لیے

آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، یہاں تک کہ آپ کے شاگردوں کی تعداد چار ہزار تک پہنچ گئی ان میں فقہ کے علماء بھی تھے، تفسیر کے متکلمین بھی تھے اور مناظرین بھی، آپ کے دربار میں مخالفین مذہب آکر سوالات پیش کرتے تھے اور آپ کے اصحاب سے اور ان سے مناظرے ہوتے رہتے تھے جن پر کبھی کبھی نقد وتبصرہ بھی فرماتے تھے اور اصحاب کو ان کی بحث کے کمزور پہلو بتلا بھی دیتے تھے تاکہ آئندہ وہ ان باتوں کا خیال رکھیں۔ کبھی آپ خود بھی مخالفین مذہب اور بالخصوص دہریوں سے مناظرہ فرماتے تھے۔ علاوہ علوم فقہ و کلام وغیرہ کے علوم عربیہ جیسے ریاضی اور کیمیا وغیرہ کی بھی بعض شاگردوں کو تعلیم دی تھی۔ چنانچہ آپ کے اصحاب میں سے جابر بن حیان طرسوسی سائنس اور ریاضی کے مشہور امام فن ہیں جنھوں نے چار سو رسالے امام جعفر صادق کے افادات کو حاصل کرکے تصنیف کیے۔آپ کے اصحاب میں سے بہت سے بڑے بڑے فقہا تھے جنہوں نے کتابیں تصنیف کیں جن کی تعداد سینکڑوں تک پہنچتی ہے۔

حضرات شیخین کریمین رضی اللہ عنہما امام جعفر صادق کی نظر میں: حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ کے بارگاہ میں ایک شخص عرض گزار ہوا کہ حضور شیخین کریمین (حضرت ابو بکر صدیق، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما) کا کیا مقام ہے؟ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ابھی شیخین کریمین کہاں مدفون ہیں اس شخص نے کہا نبی کریم ﷺ کے پہلو مبارک میں! امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہی تو ان دونوں حضرات کا مقام ہے۔ حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ تعالی عنہ نے حضرات شیخین کریمین رضی اللہ تعالی عنہما کی کیا خوب شان بیان فرمائی ہے کہ حضور کے پہلو مبارک میں جگہ مل جانا اس سے بڑھکر بھی کوئی مقام ہے بھلا؟ اور یہ وہ مقام ومرتبہ ہے جوکسی اور امتی کو نہ ملا اور نہ تاقیامت کسی امتی کو ملے گا۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ "من زار تربتی وجبت لہ شفاعتی" جس نے میری قبر انور کی زیارت کی اسکے لئے میری شفاعت واجب ہوگئی۔

من زار تربتی وجبت لہ شفاعتی

ان پر درود جن سے نوید ان بشر کی ہے۔

حضرت امام احمد بن حجر مکی رحمۃاللہ علیہ نے الصواعق المحرقہ میں لکھا ہے کہ دار قطنی نے عروہ سے اور انہوں نے عبداللہ سے روایت کیاہے کہ میں نے حضرت ابو جعفر باقر رضی اللہ عنہ سے تلوار کو ملمع کروانے کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا: "اس میں کوئی حرج نہیں"۔ حضرت ابو بکر صدیق (رضی اللہ عنہ) نے بھی اپنی تلوار کو ملمع کروایا تھا"۔تو انہوں نے کہا ہے کہ: میں نے کہا آپ ان کو صدیق کہتے ہیں۔ فرمایا: "ہاں! وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں اور جو ان کو صدیق نہ کہے اللہ تعالی دنیا اور

آخرت میں اس کی بات کو سچانہ کرے" اور ابن جوزی نے صفوۃ الصفوۃ میں یہ الفاظ زائد لکھا ہے کہ حضرت امام جعفر رضی اللہ عنہ نے چھلانگ لگائی اور قبلہ کی جانب ہو گئے‘‘۔ اورفرمایا: ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں ہاں وہ صدیق ہیں اورحدیث میں بھی اسی طرح آیاہے۔اسی طرح حضرت جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ روایت بھی آئی ہے کہ جس طرح میں حضرت علی(رضی اللہ عنہ)سے شفاعت کی امید رکھتا ہوں اسی طرح حضرت ابو بکر (رضی اللہ عنہ)سے بھی شفاعت کی امید رکھتا ہوں۔ انہوں نے مجھے دوبار جنا ہے۔

اقوال: حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی قدس سرہ العزیز ارشادفرماتے ہیں: "کرامات وخوارق، صرف کسی کو زندہ کرنے اورمارنے میں ہی منحصر نہیں، بلکہ الہامی علوم و معارف بھی عظیم نشانات اوربلند درجہ خوارق میں سے ہیں اسی لیئے قرآن کا معجزہ باقی معجزات سے اقوی اور باقی رہنے والاہے" حضرت مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کےاس قول کامطلب یہ ہے کہ کرامتوں کا تعلق صرف کسی کو زندہ کرنے اور مارنے سے ہی نہیں ہے بلکہ اللہ کے کسی ولی کےمبارک ارشادات اور انکی نصیحتیں بہت بڑی کرامتیں ہوتی ہیں کیونکہ کسی کوزندہ کرنے اورمارنے کی کرامت کا اثر تھوڑی دیر کیلیئے ہوتاہے لیکن اللہ کےنیک بندوں کے ارشادات اور فرمودات کا اثر ہر سنجیدہ دل کیلیئے قیامت تک باقی رہتا ہے۔

آپ کے ارشادات وفرمودات توبہت ہیں ان میں سے بعض کو ذکر کیا جا رہا ہے۔ملاحظہ فرمائیں:

(۱) پانچ لوگوں کی صحبت سے اجتناب کرنا چاہئے، اول: جھوٹے سے،کیوں کہ اس کی صحبت فریب میں مبتلاکر دیتی ہے۔دوم: بیوقوف سے،کیوں کہ جس قدروہ تمہاری منفعت چاہے گا اسی قدر نقصان پہنچے گا۔ سوم: کنجوس سے،کیوں کہ اس کی صحبت سے بہترین وقت رائیگاں ہو جاتا ہے۔ چہارم: بزدل سے، کیوں کہ یہ وقت پڑنے پر ساتھ چھوڑ دیتا ہے۔پنجم: فاسق سے،کیوں کہ وہ ایک نوالہ کی طمع میں کنارہ کش ہوکر مصیبت میں مبتلا کر دیتا ہے۔

(۲) دوستی کےپانچ شرائط ہیں،جس کسی میں وہ شرائط موجود ہوں تم اس کو دوستی کی طرف منسوب کرو ورنہ تم اُس کو دوست نہ سمجھو وہ شرائط یہ ہیں کہ ایک دوست اپنے دوست کی زینت اور خوشحالی کو اپنی زینت سمجھے، اور اُس کے لئے اپنے باطن کو ایسا ہی رکھے جیسے اس کا اپنا ظاہر ہے(اور وہ دوست ایسا ہوکہ) کوئی مال اس کو اپنے دوست کا مخالف نہ بنائے اور وہ اپنے دوست کو اپنی تمام تر محبت کا حقدار سمجھے اور وہ اپنے دوست کو مصیبتوں کے وقت تنہا نہ چھوڑے۔

(۳) جو بغاوت کے لیے تلوار کھینچتا ہے، وہ اسی سے قتل کیا جاتا ہے جو اپنے بھائی کے لیے گڈھا کھودتاہے، وہ خود اس میں گرتا ہے،جو سفیہوں کے پاس بیٹھتا ہے وہ حقیر ہو جاتاہے،جو علماء سے ملتا جلتا ہے وہ معزز ہوجاتاہے،جو برے مقامات پرجاتا ہے وہ بدنام ہو جاتا ہے۔

(۴) سلامتی بہت نادر چیز ہے، یہاں تک کہ اس کے تلاش کرنے کی جگہ بھی مخفی ہے،اگر وہ کہیں مل سکتی ہے تو ممکن ہے گوشہ گمنامی میں ملے،اگر تم اس کو گوشہ گمنامی میں تلاش کرو اور نہ ملے تو ممکن ہے تنہا نشینی میں ملے،(گوشہ تنہائی گوشہ گمنامی سے مختلف ہے) اگر گوشہ تنہائی میں بھی تلاش سے نہ ملے تو سلف صالحین کے اقوال میں ملے گی۔

(۵) آدمی کی اصل اس کی عقل ہے،اس کا حسب اس کا دین ہے اس کا کرم اس کا تقویٰ ہے تمام انسان آدم کی نسبت میں برابر ہے۔

شہادت: آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو باختلاف روایت ۶۳ برس کی عمر میں ۱۵ رجب المرجب ۱۴۸ھ کو کسی شقی القلب نے زہر دیا جو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی شہادت کا سبب بنا۔ آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا مزار اقدس جنت البقیع (مدینۃ المنوّرہ) والدِ محترم حضرت سیدنا امام محمد باقر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پہلو میں ہے۔

ہیں سبط شاہ بحر و بر ہمارے جعفر صادق ہیں
آل زہرا و حیدر ہمارے جعفر صادق
نہ ہوگی جس کسی کو آپ سے ، سرکار سے نسبت
وہ ہوگا بد سے بھی بدتر ہمارے جعفر صادق
بڑی مدت سے ہے خواہش کہ دیکھیں آپ کا روضہ
کریں لطف و کرم ہم پر ہمارے جعفر صادق

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ

از قلم:- مولانا محمد مستقیم رضا مصطفائی

حضرت امیر معاویہ پر کچھ لوگ لعن وطعن کرتے ہیں خاص طور پر شیعہ اور رافضی اور کچھ نیم رافضی حضرات بھی۔ ہمارے اہل سنت وجماعت کے کچھ رافضی نما خطیب حضرات بھی شدید گستاخی کرتے ہیں اس رسالے میں میں نے معتبر کتب کے حوالے سے آپ کے فضائل ومناقب مختصر انداز میں بیان کیا ہے اور آپ کے اور حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کے درمیان اختلاف کی وجہ کو بھی بیان کیا ہے ہمارے اہل سنت و جماعت کا متفقہ عقیدہ ہے کہ صحابہ کرام کے باہمی اختلاف کی وجہ سے کسی کو فاسق و فاجر کہنا کسی کی گستاخی کرنا ناجائز وحرام ہے۔

آپ کا سلسلہ نسب کچھ اسطرح ہے: معاویہ بن ابی سفیان صخر بن حرب بن امیہ بن عبد شمس بن مناف بن قصی القرشی الاموی۔ آپکی والدہ ہندہ بنت عتبہ بن ربیعہ بن عبد شمس ہیں۔ اور آپ آقا ﷺ کے صحابی اور ام المومنین سیدہ ام حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بھائی، اور تمام مؤمنین کے ماموں اور رب العالمین کے رسول کے کاتب وحی اور اس امت کے امین ہیں۔ اور آپ نے سن ۷ ہجری میں اسلام قبول کیا مگر اپنے والدین کے خوف سے اپنے اسلام کو پوشیدہ رکھا سن ۸ ہجری میں فتح مکہ کے بعد جب آپ کے والدین اسلام لے آئے تو آپ نے بھی اپنے اسلام کا اظہار کیا حضرت امیر معاویہ نے فرمایا ہے کہ میں حضور ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے خوش آمدید کہا اور میں نے آپ کی کتابت کی اور آپ حضور ﷺ کی قیادت میں غزوہ حنین میں شریک ہوئے اور حضور ﷺ نے انہیں ایک سو اونٹ اور چالیس سنہری اوقیے دیئے اور آپ فہم و فراست، تدبر، تخیل، تبحر علم و دانائی، صبر و تحمل اور حلم و بردباری میں بڑے مشہور تھے آپ زہد و تقویٰ کے اعلیٰ منصب پر فائز و فائق تھے۔ آپ سے ایک سو ترسٹھ ۱۶۳ احادیث مروی ہیں اور بہت سارے صحابہ اور تابعین آپ سے حدیث روایت کرتے ہیں اور امام بخاری و مسلم نے آپ سے احادیث روایت کی ہیں اور آپ نے چار شادیاں کیں ان میں سے ایک دو کو طلاق بھی دی ہیں آپ کی کئی اولاد ہیں آپ کی ازواج میں سب سے زیادہ شہرت پانے والی میسون بنت بحدل ہیں یہ بہت ہی عارفہ زاہدہ متقیہ تابعیہ دیندار پارسہ سردار خوب صورت تھیں انہیں کی بطن سے یزید پلید پیدا ہوا جو کہ آپ کی اولاد میں بہت مشہور ہے۔ ابو بکر بن ابی الدنیا نے بیان کیا ہے کہ حضرت امیر معاویہ دراز قد سفید رنگ اور خوب صورت تھے آپ جب مسکراتے تو آپکا بالائی ہونٹ الٹ جاتا اور بالوں کو رنگ دیا کرتے تھے اور دیگر مؤرخین نے بیان کیاہے کہ آپ سفید رنگ دراز قد تھے اور آپ کے سر کے دونوں جانب سے بال گرگئے تھے آپ کا سر سفید تھا، داڑھی سفید تھی اور آپ دونوں کو مہندی اور وسمہ سے

رنگتے تھے۔

آپ کے فضائل ومناقب حدیث سے

آپ کی فضائل پر بہت احادیث ہیں ایک بار حضورﷺ نے آپ کے لئے یہ دعا فرمائی اے اللہ معاویہ کو ہدایت دینے والا اور ہدایت یافتہ بنا اور اس کے ذریعے لوگوں کو ہدایت عطاء فرما (رواہ الترمذی ھذاحدیث صحیح)۔حضرت عرباض بن ساریہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہﷺ کو یہ فرماتے سنا کہ الہی معاویہ کو حساب وکتاب سکھادے اور ان کوعذاب سے محفوظ رکھ (تاریخ الخلفاء، مسند احمد) حضرت امیر معاویہ کی شخصیت اتنی عظیم ہے کہ ایک بارنبی کریمﷺ کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے نبی کریم ﷺ نے جب "سمع اللہ لمن حمدہ" فرمایا توحضرت معاویہ ہی وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے "ربنا لک الحمد" کہا تو اس دن کے بعدسےآج تک یہ سلسلہ جاری ہے۔حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے مروی ہےکہ حضرت جبرئیل علیہ السلام رسول اللہﷺ کے پاس آئے اور کہا اے محمدﷺ معاویہ کو سلام کہئے اور انہیں بھلائی کی وصیت کیجئے بلاشبہ وہ کتاب اور وحی پر اللہ کے امین ہیں اور بہت اچھے امین ہیں۔۔۔ پھر ابن عساکر نےاسے عبد الملک بن ابی سلیمان کے حوالے سے بیان کیا ہے پھر اسے حضرت علی اور حضرت جابر بن عبد اللہ کی روایت سے اسی طرح بیان کیا ہے کہ رسول اللہﷺ نے حضرت معاویہ کو اپنا کاتب بنانے کےلئے حضرت جبرئیل علیہ السلام سے مشورہ کیا تو حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا انھیں کاتب بنا لیجئے بلاشبہ وہ امین ہیں (البدایہ والنہایہ)

آپ کا دور خلافت

حضرت ہشام بن عروہ حضرت عائشہ رضی اللہ تعالی عنھا سے روایت کرتے ہیں آپ فرماتی ہیں کہ جب حضرت ام حبیبہ کے وہاں نبیٔ کریم ﷺ کی باری تھی تو ایک کھٹکھٹانے والے نے دروازہ کھٹکھٹایا تو حضور ﷺ نے فرمایا کون ہے لوگوں نے کہا حضرت معاویہ ہیں آپ نے فرمایا انہیں اجازت دو تو حضرت امیر معاویہ اندر آئے تو آپ کے کان میں قلم تھا جس سےلکھتے تھے آپ نے پوچھا اے معاویہ آپ کے کان پر یہ قلم کیسا ہے آپ نے جواب دیا میں نے اس قلم کو اللہ تعالی اور اس کے رسول کے لئے تیار کیا ہےآپ نے انھیں فرمایا اللہ اپنے نبی کی طرف سےآپ کو جزائے خیردے۔ پھر حضور ﷺ نےفرمایا خدا کی قسم میں نے وحیٔ الہی سے آپ کو کاتب مقرر کیا ہے اور میں ہر چھوٹا بڑا کام وحی الہی سے کرتا ہوں اگر اللہ تجھے قمیص یعنی خلافت پہنائےتو تیرا کیا حال ہوگا حضرت ام حبیبہ اٹھ کر آپ کے سامنے گئیں اور پوچھنے لگیں یارسول اللہ!ﷺ اللہ انھیں قمیص پہنانے والا ہے آپ نے فرمایا ہاں لیکن اس میں مصیبت پائی جاتی ہے حضرت ام حبیبہ نے کہا یا رسول اللہ! ان کے لئے اللہ سے

دعا کیجئے آپ نے فرمایا اے اللہ ہدایت سے ان کی راہنمائی فرمایا اور انھیں ہلاکت سے بچا اور انھیں دنیا اور آخرت میں بخش دے (البدایہ والنہایہ) حضرت امیر معاویہ فرماتے ہیں ایک دن حضور ﷺ نے مجھ سے فرمایا اے معاویہ جب تجھے کسی جگہ کا حاکم بنا یاجائے تو اللہ سے ڈرنا اور عدل و انصاف پر قائم رہنا مجھے اس وقت سے یقین ہواتھا کہ مجھے حکومت کی ذمہ داری سونپی جائے گی (ازالۃالخفاء ، مسنداحمد، مسند ابویعلیٰ)حضرت معاویہ کا ارشادہے کہ مجھے خلافت کی اس وقت سے امید پیدا ہوگئ تھی جب حضورﷺ نے مجھ سے فرمایا تھا کہ اے معاویہ جب تم بادشاہ بن جاؤ تو لوگوں سے اچھی طرح پیش آنا۔ (تارخ الخلفاء، ابن ابی شیبہ)

آپ کی خلافت کا دور

سیدنا ابوبکر صدیق نے اپنے دورخلافت میں دمشق فتح ہونے کے بعد وہاں کا گورنر آپ کے بڑے بھائی حضرت یزید بن سفیان کو مقرر کیا ان کے انتقال کے بعد سیدنا عمر رضی للہ تعالیٰ عنہ نے حضرت معاویہ کو ان کی جگہ گورنر بنا دیا بعد میں حضرت عثمان غنی نے اپنے دورخلافت میں آپ کو پورے شام کا گورنر بنا دیا آپ کی حکمرانی کا عرصہ شمار کیا جائے تو 17 ہجری سے 60 ہجری تک 43 تینتالیس سال آپ نے کامیاب حکومت کی ہے سیدنا عثمان غنی کی شہادت کے بعد جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو حضرت امیر معاویہ نے ان سے حضرت عثمان غنی کے قصاص کا مطالبہ کیا مؤرخین لکھتے ہیں کہ ابو مسلم خولنی کچھ لوگوں کے ہمراہ حضرت امیرمعاویہ کے پاس گئے اور ان سے دریافت کیا آپ حضرت علی سے جنگ کررہے ہیں کیا آپ خودکو ان کے ہم رتبہ سمجھتے ہیں حضرت امیرمعاویہ نے کہا خدا کی قسم مجھے یقین ہے کہ حضرت علی مجھ سے افضل و برتر ہیں وہ مجھ سے زیادہ حکومت و خلافت کے مستحق ہیں مگرکیا تم نہیں جانتے کہ حضرت عثمان ظلماً شہید کیے گئے اور میں ان کا چچازاد بھائی ہوں میں ان کا ولی اور ان کے خون کے قصاص کا مطالبہ کرتاہوں حضرت علی سے عرض کروکہ وہ حضرت عثمان کے قاتلوں کو میرے حوالے کردیں میں فوراً ان سے بیعت کرلوں گا (لبدایہ والنہایہ) اس میں کوئی اختلاف نہیں آپ رجب سنہ ۶۰ھ دمشق میں وفات پائے اور دن میں اختلاف ہے ایک جماعت کا قول ہے ۱۵ رجب کو جمعرات کی شب میں وفات پائےاور بعض کا قول ہے ۲۲ رجب میں اور بعض کا قول ہےچھ ۶ رجب میں اس وقت آپ کی عمر۸۷ سال تھی، دیگر مؤرخین نے کہا ۸۰ سال سے زیادہ تھی یہی قول زیادہ مشہور ہے آپ نے وصیت کی تھی کہ آپ کو رسول اللہﷺ کے اس کپڑے میں کفن دیا جائے جو آپ ﷺ نے انہیں پہنایا تھا وہ آج کے دن کے لئے آپ اپنے پاس سنبھال کر رکھا تھا اور یہ آپ کے پاس رسول للہ ﷺ کے جو کٹے ہوئے بال اور ناخن پڑے ہیں وہ انہیں آپ کے منہ ناک اور آنکھوں اور کانوں میں رکھ دےکچھ مؤرخین کا کہنا ہے کہ آپ کے بیٹے یزید نے آپ کی نماز

جنازہ پڑھائی اور دوسرے سیرت نگار کا کہنا ہے کہ یزید غائب تھا اس دن تو دمشق کے مسجد میں ظہر کی نماز کے بعد الضحاک بن قیس نے آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔

حضرت حسن بن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بیعت

بعض متعصب وگمراہ لوگ حضرت امیر معاویہ کو باغی کہتے ہیں اور ان پر لعن طعن کرتے ہیں اگر حضرت امیر معاویہ باغی ہوتے تو حضرت علی پر لازم تھا کہ ان سے مسلسل جنگ کرتے یہاں تک کہ وہ آپ کی خلافت کو تسلیم کر لیتے لیکن آپ نے جنگ ختم کردی اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک بھی امیر معاویہ باغی نہیں تھے۔ اعلیٰ حضرت فرماتے ہیں کہ سیدنا امام حسن مجتبیٰ نے ایک فوج جرار کے ساتھ عین معرکہ جنگ میں ہتھیار رکھ دیے اور خلافت امیر معاویہ کے سپرد کردی اور ان کے ہاتھ پر بیعت فرمائی اگر امیر معاویہ العیاذ باللہ فاجر ظالم یا غاصب تھے تو الزام امام حسن پر آتا ہے کہ انہوں نے خلافت و حکومت خود اپنے اختیار وارادے سے ایسے شخص کے حوالے کردی اور اسلام ومسلمین کی خیرخواہی کا خیال نہ فرمایا۔ اور آگے فرماتے ہیں یہ اعتراض تورسول کریم ﷺ تک پہنچتا ہے کہ جنہوں نے اپنی پیشن گوئی میں ان کے اس فعل یعنی حضرت معاویہ سے صلح کو پسند فرمایا اور انکی سیادت کا نتیجہ ٹھرایا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ آپ نے امام حسن کی نسبت فرمایا میرا یہ بیٹا سید ہے مجھے امید ہے کہ اللہ اس کے باعث مسلمان کے دو بڑے گروہ میں صلح کرادے گا (اعتقاد الحباب)صدرالشریعہ فرماتے ہیں امیر معاویہ پر فسق وغیرہ کا طعن کرنے والا حقیقتاً حضرت امام حسن پر بلکہ حضور ﷺ پر لعن کرتا ہے۔ (بہارشریعت ج اول) اعلی حضرت رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں شرح شفاء کے حوالے سے جو حضرت امیر معاویہ پر طعن کرے وہ جہنم کے کتوں میں سے ایک کتاہے (اعتقادالحباب)حضرت امیرمعاویہ مجتہد تھے انکے اجتہاد کی دلیل یہ ہے کہ اللہ قرآن میں فرماتا ہے جو ناحق مارا جائے تو بیشک ہم نے اس کے وارث کو قابودیا ہے یعنی جو مظلوم قتل کردیا جائے تو اس کے وارث کو قصاص کا حق ہے اسی بناء پرسیدنا معاویہ، سیدنا عثمان کے قاتلوں کا مطالبہ کررہے تھے جبکہ سیدنا علی کے گرد بڑی تعداد اپنے لوگوں کی تھی جو سیدنا عثمان کی شہادت میں پیش پیش تھے اس لیے سیدناعلی کے لئے حکومت مستحکم کے بغیر قصاص لیناممکن نہ تھا۔

حضرت امیر معاویہ کی یزید کو نصیحت

رجب میں سنہ ٦٠ھ میں جب امیر معاویہ کی طبیعت خراب ہوئی تو انہوں نے یزید کو یہ تحریر وصیت فرمائی حسین بن علی سادہ مزاج اور نرم دل آدمی ہیں عراق والے انہیں مدینہ سے نکال کر ہی چھوڑیں گے پس اگر وہ نکالے جائیں اور تو ان پر غالب آجائے تو ان سے در گزر کرنا کیونکہ وہ

بہت بڑی صلہ رحمی کے مستحق ہیں ان کا ہم پر ایک عظیم حق ہے اور وہ یہ ہے کہ ان کے نانا رسول ﷺ سے قرابت داری ہے (تاریخ کامل ج۶) امیر معاویہ نے واضح طور پر یزید کو امام حسین سے در گزر کرنے اور حسن سلوک کرنے کی وصیت فرمائی لیکن اس بدبخت نے اقتدار کی نشہ میں مست ہو کر اپنے متقی والد کی ہر نصیحت کو بھول گیا آپ کی حیات ظاہری میں یزید کا فسق وفجور ظاہر نہ تھا اگر ہوتا تو آپ اس کو کبھی اپنا ولی عہد نہیں بناتے۔ حضرت معاویہ نے امت کو انتشار سے بچانا چاہا اور یزید کو ولی عہد بنایا لیکن ان کا یہ فیصلہ اجتہادی خطا ثابت ہوا اور یزید کی حکومت سے امت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا یزید اپنے کرتوت کا ذمہ دار خود ہے حضرت امیر معاویہ نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے (ولاتزر وازرۃ وزر اُخریٰ) یعنی اور کوئی بوجھ اٹھانے والی جان دوسرے کا بوجھ نہ اٹھائے گا۔

(ماخذ کتب- تاریخ ابن کثیر، تاریخ ابن خلدون، تاریخ کامل، ازالتہ الخفاء، تاریخ الخلفاء، ترمذی شریف، مسند امام ابن حنبل، مصنف ابن ابی شیبہ اعتقاد الحباب، بہار شریعت، الصواعق المحرقہ، فصل الثالث، مرقات شرح مشکاۃ)

شان صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم

بس یہ بات ذہن نشیں رہے کہ صحابہ کرام کے باہم جو واقعات ہوئے ان پر اپنی رائے دینا یا کسی کو قصوروار بتانا سخت حرام ہے ہمیں تو یہ دیکھنا چاہئے کہ وہ سب آقا ﷺ کے جاں نثار سچے غلام اور صحابیت کا شرف رکھتے ہیں کوئی ولی کتنا ہی بڑے مرتبہ والا کیوں نہ ہو کسی ادنیٰ صحابی کے برابر نہیں ہو سکتے۔ حضرت عبد اللہ بن مبارک سے دریافت کیا کہ امیر معاویہ اور عمر بن عبدالعزیز میں سے کون افضل ہے آپ نے فرمایا وہ غبار جو حضور ﷺ کی ہمراہی میں امیر معاویہ کے گھوڑے کی ناک میں داخل ہوا وہ بھی عمر بن عبد العزیز سے افضل ہے (مرقات شرح مشکوۃ ملعلی قاری، الصواعق المحرقہ فصل الثالث) قرآن شریف میں بے شمار آیت صحابہ کرام کی شان میں نازل ہوئی اللہ نے فتح مکہ سے پہلے ایمان لانے والے صحابہ اور فتح مکہ کے بعد ایمان لنے والے صحابہ کے متعلق فرمایا۔ (وَکلّوعدَ اللّٰہ الحسنیٰ) یعنی اللہ ان سب صحابہ کرام سے بھلائی کا وعدہ فرمایا اس آیت کے تحت مفسرین فرماتے ہیں اللہ سب سے جنت کا وعدہ فرمایا اور دوسری جگہ فرماتا ہے (اولئک عنھا مبعدون) یعنی وہ سب جہنم سے دور رکھے گئے ہیں اور ایک تیسری جگہ فرماتا ہے (لیسمعونَ حسیسھا) یعنی وہ جہنم کی بھنک تک نہ سنیں گے۔ اور ایک جگہ فرماتا ہے (تتلقھم الملئکۃُ) یعنی فرشتے ان کا استقبال کریں گے۔

انمول موتی

(۱) ہمیشہ حق بات کہو خواہ تمہارے موافق ہو یا مخالف۔

(۲) جو توانائی کے وقت بھلائی نہیں کرتا ہے وہ ناتوانی کے وقت سختی اٹھاتا ہے۔

(۳) جس نے علم پڑھا اور عمل نہ کیا، وہ اس شخص کی طرح
ہے جو ہل چلاتا ہے اور بیج نہیں ہوتا۔

(۴) جو کمزور طاقتور کے مقابلے میں بہادری کرتا ہے، وہ اپنی ہلاکت میں اپنے دشمن کا دوست ہے۔

(۵) دانائی کا تعلق بالوں کی سفیدی سے نہیں، عقل اور تجربے سے ہے، دل سیاہ ہو تو داڑھی کے سفید بالوں کی کیا وقعت۔

(۶) اخلاق سے بات کرنا پریشانی سے نجات ہے کیونکہ انسان پر سب سے زیادہ مصیبتیں اس کی زبان کی وجہ سے آتی ہیں۔

(۷) غلط نمبر اور غلط نظریے کی عینک میں کوئی فرق نہیں ہے، ہر منظر دھندلا، راستہ ٹیڑھا اور ہر چہرہ بگڑا ہر ہوا نظر آتا ہے۔

(۸) قوموں کو جنگیں تباہ نہیں کرتیں قومیں اس وقت تباہ ہوتی ہے جب جنگ کے مقاصد بدل جاتے ہیں

(۹) اختلافات کے باوجود کسی سے احترام سے پیش آنا کمزوری نہیں تربیت اور خاندانی ہونے کی دلیل ہے

(۱۰) ہجوم کے ساتھ غلط راہ پر چلنے سے بہتر ہے کہ تنہا حق کی راہ پر چلیں